خاتم النبیین ﷺ

﴿ مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰـكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا ۝ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوا اللّٰهَ ذِكْرًا كَثِيْرًا ۝ وَّسَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا ۝ ﴾

[الاحزاب: ۳۳/ ۴۰-۴۲]

’’محمد (ﷺ) تم میں سے کسی مرد کے باپ نہیں ہیں۔ لیکن وہ اللہ کے رسول اور خاتم النبیین ہیں اور خدا سب کچھ جانتا ہے۔ مسلمانو! اللہ کو بہت بہت یاد کیا کرو۔ اور صبح وشام اس کی تسبیحیں پڑھا کرو۔‘‘

بشارت

[شورش کاشمیری]

پہنچوں گا بارگاہِ رسالت مآبؐ میں
شورش ملی ہے مجھ کو بشارت یہ خواب میں
قیدِ فرنگ میں وہ زمانہ گزر گیا
جانا تھا سر کے بل مجھے ورنہ شباب میں
جب بھی کسی نے سیرتِ اقدس بیان کی
کیا کیا نہیں ملا ہے؟ سوال و جواب میں
اس سر کو ان کے در پہ کٹا کے رہوں گا میں
یہ آرزو ہے اس دلِ پراضطراب میں
اٹھوں گا عاشقانِ محمدؐ کے ہم رکاب
لکھا گیا ہے میری شفاعت کے باب میں
تھے جس سے مستنیر صحابہؓ کے روز و شب
وہ لازوال نور کہاں آفتاب میں؟
کیا دور ہے کہ ختمِ نبوتؐ کے راہ زن
بیٹھے ہیں چھپ چھپا کے سیاسی نقاب میں
ربوہ مٹے گا قہرِ الٰہی سے بالضرور
تاخیر ہو گئی ہے خدا کے عذاب میں

مندرجات

”ردِّ قادیانیت“ پر

ہفت روزہ الاعتصام

کی خصوصی اشاعت

قربانی صرف اللہ کے لیے

﴿ قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ o لَا شَرِیْکَ لَهٗ وَبِذٰلِكَ اُمِرْتُ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِیْنَ ﴾ [الانعام: ١٦٢۔١٦٣]

''(لوگو) کہہ دو کہ میری نماز، میرے تمام مراسم عبودیت، میرا جینا اور میرا مرنا (سب کچھ) اللہ کے لیے ہے۔ جس کا کوئی شریک نہیں، اور اسی کا مجھے حکم دیا گیا ہے اور میں سب سے پہلے سر اطاعت جھکانے والا ہوں۔''

''قربانی'' رسول اللہ ﷺ کی سنت

جبلہ بن سحیم کہتے ہیں کہ کسی شخص نے حضرت ابن عمرؓ سے قربانی کے متعلق پوچھا کہ کیا وہ واجب ہے؟ انھوں نے فرمایا:

''اللہ کے رسول ﷺ نے (مدینہ میں ہمیشہ) قربانی کی اور (آپ ﷺ کے طریقے کے مطابق) آپ ﷺ کے بعد مسلمان بھی مسلسل قربانی کرتے چلے آ رہے ہیں۔'' [سنن ترمذی: ١٥٠٦]

ابو مالک اشجعی اپنے والد سے روایت کرتے ہیں، انھوں نے کہا کہ جب کوئی شخص مسلمان ہوتا تو اللہ کے رسول ﷺ اسے (نماز کی تعلیم دیتے تو پھر) ان کلمات سے دعا کرنا سکھاتے:

《 اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِیْ وَارْحَمْنِیْ وَاهْدِنِیْ وَعَافِنِیْ وَارْزُقْنِیْ 》۔ [مسلم: ٢٦٩٧]

''یا اللہ! مجھے بخش دے اور مجھ پر رحم کر اور مجھے ہدایت دے اور مجھے عافیت دے اور مجھے رزق دے۔''

مناسبت

اداریــــــــہ ═══ حافظ احمد شاکر

سابقہ خلائی حکومت کے دور کی نحوستوں یا دشمن کی دسیسہ کاریوں میں سے ایک یہ بھی تھی کہ اس دور میں مرزائی ایک بار پھر زیر زمیں رہ کر بعض اہم عہدوں پر نہایت خاموشی سے براجمان ہوگئے اور اسلام دشمن و مسلم کش سازشوں میں کمر بستہ ہوگئے حتی کہ انھوں نے ردّ قادیانیت میں بعض خالص علمی و تاریخی کتابوں پر پابندی بھی لگوا دی۔

مرکزی جمعیت اہل حدیث نے ان سازشوں کے پیش نظر اس موضوع پر اپنے زیر اہتمام ایک آل پاکستان کانفرنس منعقد کرانے کا فیصلہ کیا جو ۶، ۷ نومبر ۲۰۰۸ء کو مینار پاکستان کے وسیع و عریض میدان میں منعقد ہو رہی ہے۔

اس آل پاکستان ختم نبوت اہل حدیث کانفرنس کے موقعہ پر خیال آیا کہ الاعتصام کے مؤسس مولانا محمد عطاء اللہ حنیف بھوجیانی ؒ مرکزی جمعیت اہل حدیث پاکستان کے بانی رکن ہونے کے علاوہ تا حیات لاہور کے امیر، مجلس عاملہ و شوریٰ کے رکن اور بعض مرکزی عہدوں پر متمکن بھی۔ تنظیمی طور پر ان کا باقاعدہ تعلق جب تک رہا صرف مرکزی جمعیت اہل حدیث سے رہا اور جب وہ گوشہ نشین ہوگئے تو پھر کسی دوسری اہل حدیث تنظیم، جمعیت یا جماعت سے انھوں نے کوئی تعلق نہ رکھا۔

اس تعلق کو ملحوظ رکھتے ہوئے آل پاکستان ختم نبوت اہل حدیث کانفرنس کی مناسبت سے محترم مولانا محمد اسحاق بھٹی حفظہ اللہ کی خدمت میں گزارش کی کہ آپ تحفظ ختم نبوت کے مسئلے میں اہل حدیث کی اوّلیات کے موضوع پر ایک مقالہ تحریر فرما دیں۔ ہم ان کے شکر گزار ہیں کہ انھوں نے درخواست قبول فرماتے ہوئے ایک ایسا وقیع علمی مقالہ تحریر فرما دیا جو صرف وہی لکھ سکتے تھے۔ لیکن وقت اور جگہ کی قلت کے باعث وہ اس موضوع پر صرف اشارے ہی کر سکے جب کہ ان اشاروں سے موضوع کی پوری تفصیلات تک پہنچا جا سکتا ہے۔ ہم درخواست کرتے ہیں کہ وہ اس موضوع پر ایک الگ کتاب تحریر فرما دیں۔

محترم مولانا بھٹی حفظہ اللہ چوں کہ مرکزی جمعیت اہل حدیث کی ساٹھ سالہ تاریخ کے عینی شاہد اور بہت سے اکابر کے نیاز مند اور بعض سے فیض یاب ہوئے ہیں۔ اس لیے ان کا یہ مقالہ اس موضوع پر امید ہے کہ ایک سنگ میل ثابت ہوگا۔

ایسے ہی کانفرنس کی مناسبت سے اپنے رفیق دل و جان خلد آشیانی قاری نعیم الحق نعیم ؒ...... جو بلاشبہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں سے ایک نعمت تھے...... کا ایک گراں قدر علمی مقالہ "عقیدۂ ختم نبوت یا ردّ قادیانیت میں علمائے اہل حدیث کی خدمات" کو قند مکرر کے طور پر شائع کر رہے ہیں۔

امید ہے کہ الاعتصام کی یہ پیش کش قارئین الاعتصام اور سامعین کانفرنس کے لیے ایک علمی دستاویز ثابت ہوگی اور الاعتصام کے بانی ؒ اور خدمت گزاروں کے لیے توشۂ آخرت۔

بفضل اللہ تعالیٰ وعونہ قادیانیت اور عقیدۂ ختم نبوت کے بارے میں ہفت روزہ الاعتصام کی خدمات کا دائرہ بہت وسیع اور علمی لحاظ سے وقیع ہے خیال ہو رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ توفیق دے تو ان تمام مضامین کو یک جا کر کے شائع کر دیا جائے۔

تردید مرزائیت سے متعلق اہل حدیث کی اوّلیات

مولانا محمد اسحاق بھٹی حفظہ اللہ

برصغیر میں اپنے دورِ اقتدار میں انگریز کے ذہن فتنہ پرور نے جن فتنوں کو پیدا کیا اوران کی پرورش کے سامان بہم پہنچائے، ان میں ایک بہت بڑا فتنہ مرزائیت کا ہے۔ اس فتنے کی سرکوبی کے لیے جو لوگ سب سے پہلے میدان میں اترے، وہ اہل حدیث علمائے کرام تھے۔اس متن کی تشریح مختصر الفاظ میں اس طرح ہے:

مرزا غلام احمد قادیانی نے مبلغ، مجدد، مثل مسیح اور مسیح وغیرہ دعاوی کی منزلوں سے گزرتے ہوئے ۱۸۹۱ء میں نبوت کا دعویٰ کیا۔ ظاہر ہے یہ سراسر کفر اور نبی ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے جو شریعت دے کر مبعوث فرمایا تھا، اس سے برملا انکار اور انحراف تھا۔ سلسلۂ انبیاء کے تاریخی واقعات ہمیں بتاتے ہیں کہ جو نبی آیا حالات کے مطابق بارگاہِ خداوندی سے نئے احکام لے کر آیا، اور اس کے پیروکاروں کو اس کی امت سے تعبیر کیا گیا۔ اگرچہ بعض معاملات میں نئی امت کا پہلی امتوں سے اشتراک رہا، مگر عقیدت واطاعت کی سمتیں بہرحال بدل گئیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی امت یہودی کہلائی اور حضرت عیسیٰ کے متبعین کو عیسائیت سے موسوم کیا گیا۔ پھر حضرت محمد ﷺ کی بعثت ہوئی تو آپ پر ایمان لانے والوں کو مسلمان کہا جانے لگا۔ ان کا اندازِ عبادت اور طریق اطاعت امم سابقہ سے بہت حد تک مختلف تھا بلکہ پہلے احکام کے کتنے ہی حصے منسوخ کر دیے گئے تھے۔

اسی طرح مرزائیوں نے مسلمانوں سے ایک بالکل جداگانہ اسلوبِ زیست اپنا لیا۔ ان کی نمازیں الگ، مسجدیں الگ، معاشرتی معاملات الگ۔ رشتے ناتے کا سلسلہ منقطع۔ غرض نبی ﷺ کے اطاعت گزار مسلمانوں سے انھوں نے بالکل علیحدگی اختیار کر لی اور اپنے آپ کو ایک الگ امت قرار دے لیا، لہٰذا ان کی تکفیر ضروری ہوگئی تھی اور ان کو اسلام کے دائرے سے خارج کر دینا مسلمانوں پر لازم قرار پا گیا تھا۔

اب اس سلسلے میں اہل حدیث کی اوّلیات ملاحظہ ہوں:

① ...... سب سے پہلے حضرت مولانا محمد حسین بٹالوی میدانِ عمل میں اترے۔ وہ اوّلیں عالم دین ہیں جنھوں نے مرزا غلام احمد قادیانی پر کفر کا فتویٰ تحریر کیا اور اسے اپنے استاذ عالی قدر حضرت میاں سید نذیر حسین دہلوی کی خدمت میں پیش کر کے اس پر ان کے دستخط کرائے۔ بعدازاں ہندوستان کے دور دراز مقامات میں رہنے والے دو سو معروف وممتاز علمائے کرام سے خود مل کر یا اپنے نمائندے بھیج کر اس فتوے کی عبارت انھیں سنائی۔ اس پر انھوں نے اپنے تصدیقی دستخط کیے اور مہریں ثبت فرمائیں۔ مرزا صاحب اور ان کے ساتھی اس فتوائے تکفیر پر بے حد پریشان ہوئے۔ اس پریشانی کا اظہار مرزا صاحب ان الفاظ میں کرتے ہیں:

> ''علمائے پنجاب اور ہندوستان کی طرف سے فتنۂ تکفیر وتکذیب حد سے گزر گیا ہے اور نہ صرف علماء بلکہ فقراء اور سجادہ نشین بھی اس عاجز کو کافر اور کاذب ٹھہرانے میں مولویوں کی ہاں میں ہاں ملا رہے ہیں۔ ان لوگوں کے اغوا سے ہزاروں لوگ ایسے پائے جاتے ہیں کہ وہ مجھے نصاریٰ اور ہنود سے بھی اکفر سمجھتے ہیں۔ اگرچہ اس تکفیر کا بوجھ نذیر حسین دہلوی کی گردن پر ہے مگر تاہم دوسرے مولویوں کا یہ گناہ ہے کہ انھوں نے اس نازک امر تکفیر میں اپنی عقل اور اپنی تفتیش سے کام نہیں لیا بلکہ نذیر حسین کے دجالانہ فتوے کو دیکھ کر جو محمد حسین بٹالوی نے تیار کیا تھا، بغیر تحقیق کے ایمان

لے آئے۔''

[انجام آتھم از مرزا غلام احمد قادیانی، ص:۴۵، طبع ۱۸۹۷ء]

اس فتوے کے متعلق دوسری جگہ مرزا صاحب لکھتے ہیں:

''مولوی محمد حسین نے یہ فتویٰ لکھا اور میاں نذیر حسین دہلوی سے کہا کہ سب سے پہلے اس پر مہر لگا دے اور میرے کفر کی بابت فتویٰ دے دے اور تمام مسلمانوں میں میرا کافر ہونا شائع کردے۔ سو اس فتوے اور میاں صاحب مذکور کی مہر سے بارہ برس پہلے یہ کتاب (براہین احمدیہ) تمام پنجاب اور ہندوستان میں شائع ہو چکی تھی اور مولوی محمد حسین جو بارہ برس بعد اوّل المکفرین بنے، بانی تکفیر کے وہی تھے اور اس آگ کو اپنی شہرت کی وجہ سے تمام ملک میں سلگانے والے میاں نذیر حسین دہلوی تھے۔''

[تحفہ گولڑویہ، از مرزا غلام احمد قادیانی، ص:۱۲۱، مطبوعہ قادیان ۱۹۱۴ء]

مرزا صاحب کے ان الفاظ نے بات بالکل واضح کردی کہ ان کی ''تکفیر کے بانی'' مولانا محمد حسین بٹالوی تھے اور حضرت میاں صاحب ''اس تکفیر کی آگ کو اپنی شہرت کی وجہ سے تمام ملک میں سلگانے والے'' تھے۔ یعنی حضرت میاں صاحب چوں کہ پورے ہندوستان کے علما وزعما میں اپنا ایک علمی مقام اور شہرت رکھتے تھے، اس کی وجہ سے تمام ملک میں یہ فتویٰ پھیلا اور لوگوں نے مرزا صاحب کو اس فتوے کی بنا پر کافر قرار دیا۔

یہ آج سے کم وبیش ایک سو اٹھارہ برس پہلے کی بات ہے۔ اس وقت آمد ورفت کے ان ذرائع کا کوئی تصور نہ تھا جو موجودہ دور میں ہم دیکھتے ہیں۔ نہ موٹریں تھیں، نہ کاریں تھیں، نہ پختہ سڑکیں تھیں، نہ ریل گاڑیوں کا یہ تسلسل تھا۔ لوگ کچے راستوں پر پیدل یا بیل گاڑیوں میں یا اونٹوں اور گھوڑوں پر سفر کرتے تھے۔ مولانا محمد حسین بٹالوی کی ہمت اور ان کا جذبۂ خدمت دین اور داعیہ محبت رسول (ﷺ) ملاحظہ ہو کہ انھوں نے دور دراز مقامات میں خود جا کر یا اپنے نمائندے بھیج کر علمائے کرام سے اس فتوائے تکفیر پر دستخط کروائے اور ان کی مہریں لگوائیں۔ ظاہر ہے اس بھاگ دوڑ میں مولانا بٹالوی نے بہت رقم خرچ کی ہوگی۔

پہلی دفعہ یہ فتویٰ مولانا بٹالوی کی زندگی میں شائع ہوا تھا۔ اس سے تقریباً سو سال بعد یہ فتویٰ ''پاک وہند کے علمائے اسلام کا اوّلیں متفقہ فتویٰ'' کے نام سے حضرت استاذ محترم مولانا محمد عطاء اللہ حنیف بھوجیانی رحمہ اللہ نے نومبر ۱۹۸۶ء میں دارالدعوۃ السّلفیہ لاہور، کی طرف سے شائع کیا جو بڑے سائز کے ۱۸۸ صفحات پر مشتمل ہے۔ اس پر برصغیر کے مختلف مقامات کے دو سو علمائے کرام کے دستخط ہیں جو اپنے اپنے علاقے میں بے حد شہرت رکھتے تھے۔ اس طرح مرزا غلام احمد قادیانی کی تکفیر کے متعلق یہ فتویٰ سوا سو سال قبل کے علمائے برصغیر کی ایک معتبر ترین تاریخی دستاویز ہے۔ اس سے یہ بھی پتا چلتا ہے کہ کون کون علمائے عظام کہاں کہاں اقامت فرما تھے۔ اسے خوب صورت طریقے سے کتابی سائز پر دوبارہ شائع کرنا چاہیے اور اس کا مختصر نام ''اوّلیں فتوائے تکفیر'' ہونا چاہیے۔ اس پر مقدمہ لکھنا چاہیے، جس میں مرزائیت سے متعلق اہل حدیث کی اوّلیات کا تفصیل سے ذکر کیا جائے۔

فتوائے تکفیر کے علاوہ مولانا بٹالوی نے براہِ راست مرزا صاحب سے مباحثہ کیا، انھیں مباہلے کی دعوت بھی دی اور ان کی تحریروں کے جواب بھی تحریری صورت میں دیے۔ انھوں نے مرزا صاحب کے خلاف مضبوط محاذ قائم کیا اور ہر محاذ میں انھیں شکست دی۔ اس کی تفصیل اس موضوع کی کتابوں میں موجود ہے۔ مولانا بٹالوی ۱۰۔ فروری ۱۸۴۱ء کو بٹالہ (ضلع گورداس پور) میں پیدا اور ۲۹ جنوری ۱۹۲۰ء کو فوت ہوئے۔

② ...... مولانا محی الدین عبدالرحمٰن لکھوی، مفسر قرآن حافظ محمد لکھوی کے فرزند گرامی قدر تھے۔ نہایت صالح اور متقی بزرگ تھے۔ انھوں نے فرمایا تھا کہ مجھے اللہ تعالیٰ کی طرف سے القا ہوا ہے کہ مرزا قادیانی کذاب ومفتری اور فرعون وہاں کے گروہ سے تعلق رکھتا ہے۔ مرزا صاحب نے ان کو بھی ہدفِ دشنام ٹھہرایا۔ مولانا ممدوح ۱۲۵۳ھ (۱۸۳۸ء) کو لکھو کے میں پیدا اور ۱۵۔ ذیقعدہ ۱۳۱۳ھ (۲۸/ اپریل ۱۸۹۶ء) کو مدینہ منورہ میں فوت ہوئے اور جنت البقیع میں دفن کیے گئے۔

③...... مولانا بٹالوی کے بعد اس باب میں مولانا ثناء اللہ امرتسری کا تذکرہ نہایت ضروری ہے۔ مولانا امرتسری نے اس عہد میں جس انداز سے مرزائیت کی تردید کی اس کی مثال نہیں پیش کی جاسکتی۔ تحریری، تقریری اور مناظرانہ صورت میں ہر محاذ پر انھوں نے مرزائیوں کو للکارا۔ مدعی نبوت مرزا غلام احمد سے لے کر نیچے درجے کے مرزائی مبلغوں تک انھوں نے نہایت جرأت سے ان کا مقابلہ کیا۔ کبھی یہ خیال نہیں کیا کہ جب وہ خود مرزا غلام احمد سے پنجہ آزمائی کرچکے ہیں تو ان چھوٹے درجے کے مبلغوں کو منہ لگانے کی کیا ضرورت ہے۔ انھوں نے ہمیشہ دینی اہمیت کو پیش نگاہ رکھا اور بڑے چھوٹے ہر مرزائی کا ہر موقعے پر تعاقب کیا۔

وہ پہلے عالم دین ہیں جنھوں نے برسر عام مناظروں کی طرح ڈالی۔ ۱۹۰۲ء میں مرزا صاحب نے ''اعجاز احمدی'' کے نام سے کتاب لکھی۔ اس میں مولانا ثناء اللہ امرتسری کو چیلنج کیا کہ وہ قادیان آئیں اور میرے الہامات کو غلط ثابت کریں۔ ہر الہام کے بدلے انھیں ایک سو روپے انعام دیے جائیں گے۔ اگر وہ تمام الہامات کو غلط ثابت کرنے میں کامیاب ہوگئے تو ایک لاکھ پندرہ ہزار روپے انعام کے مستحق ہوں گے۔

مرزا صاحب کے اس چیلنج کا جواب دینے کے لیے وہ ۱۱ جنوری ۱۹۰۳ء کو قادیان پہنچے اور مرزا کو مقابلے میں آنے کی دعوت دی، لیکن وہ مقابلے میں نہیں آئے اور محمد احسن امروہوی کے ہاتھ رقعہ لکھ کر بھیجوایا کہ وہ قسم کھا کر اللہ سے عہد کرچکے ہیں کہ کسی سے مناظرہ نہیں کریں گے۔ یہ رقعہ پڑھ کر مولانا امرتسری نے قادیان میں تقریر کی اور مرزا صاحب کو ان کے دعوائے نبوت میں جھوٹا ثابت کیا۔ مولانا ممدوح پہلے عالم دین تھے جو مرزا صاحب کے دعوائے نبوت کے بعد قادیان گئے اور مرزائیت کے گڑھ میں جا کر انھیں للکارا۔

اعجاز احمدی ۱۹۰۲ء کے آخر میں چھپی تھی۔ اس کتاب میں مرزا صاحب نے مولانا امرتسری کی فضیلت علمی کا بھی اعتراف کیا ہے اور لکھا ہے کہ ثناء اللہ کو مسلمانوں میں قبولیت کا مقام حاصل ہے۔

مرزائیوں سے مولانا ممدوح نے مختلف مقامات پر مناظرے بھی کیے اور ان کی تردید میں کتابیں بھی لکھیں اور مرزا صاحب سے مناظرہ کرنے کے لیے قادیان بھی گئے، جس کے نتیجے میں مسلمانوں نے ان کو فاتح قادیان کا خطاب دیا۔ یہ خطاب اس طرح خوب صورت انداز میں لکھ کر ان کی خدمت میں پیش کیا گیا تھا کہ دائیں اور بائیں جانب سے بہ آسانی پڑھا جاسکتا تھا۔

مولانا ثناء اللہ امرتسری کی ولادت امرتسر میں جون ۱۸۶۸ء کو اور وفات ۱۵ مارچ ۱۹۴۸ء کو سرگودھا میں ہوئی۔

④...... مولانا عبدالحق غزنوی نے مرزا قادیانی کو مباہلے کا چیلنج دیا۔ لیکن مرزا صاحب اس چیلنج کو قبول کرنے کے بجائے گالی گلوچ پر اتر آئے۔ مولانا عبدالحق غزنوی نے ۱۶ مئی ۱۹۱۸ء کو امرتسر میں وفات پائی۔ وہ حضرت سید عبداللہ غزنوی رحمہ اللہ کے اخلاف میں سے تھے۔

⑤...... اپنے عہد کے ایک معروف اہل حدیث عالم مولانا محمد اسماعیل علی گڑھی تھے۔ ان کے والد کا اسم گرامی مولانا عبدالجلیل تھا جو ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں انگریزوں سے جہاد کرتے ہوئے علی گڑھ میں شہید ہوگئے تھے، اس لیے انھیں مولانا عبدالجلیل شہید کہا جاتا ہے۔ ان کے فرزند گرامی مولانا محمد اسماعیل علی گڑھی کا سال ولادت ۱۲۶۴ھ (۱۸۴۸ء) ہے۔ انھیں علوم متداولہ میں مہارت حاصل تھی۔ ۱۸۹۲ء میں انھوں نے مرزا غلام احمد قادیانی کی تردید میں ایک رسالہ لکھا، جس کا نام ہے ''اعلاء الحق الصریح فی تکذیب مثل المسیح''۔ مرزا صاحب نے ۱۸۹۱ء میں دعوائے نبوت کیا تھا۔ ۴۴ صفحات کا یہ پہلا رسالہ ہے جو اس کی تکذیب میں شائع ہوا۔ مولانا محمد اسماعیل علی گڑھی نے ۲۷ شوال ۱۳۱۱ھ (۳ مئی ۱۸۹۴ء) کو رحلت فرمائی۔

⑥...... قاضی محمد سلیمان منصور پوری ۱۸۶۷ء میں ریاست پٹیالہ (مشرقی پنجاب) کے ایک قصبے منصور پور میں پیدا ہوئے اور حصولِ علم کے بعد ترقی کی منزلیں طے کرتے ہوئے ریاست کی سیشن ججی کے منصب پر پہنچے۔ انھوں نے مرزا قادیانی کے دعوائے مسیحیت اور ان کی کتابوں (فتح اسلام، توضیح المرام اور ازالہ اوہام) کے جواب

میں دو کتابیں لکھیں۔ پہلی کتاب کا نام ''غایت المرام'' ہے جو ۱۸۹۳ء میں چھپی۔ اس وقت وہ بائیس تیئس برس کے نوجوان تھے اور مرزا صاحب کی تردید کرنے والے تمام علمائے عالی مقام سے کم عمر......! لیکن ان کی یہ کتاب متانت وسنجیدگی کا عمدہ ترین نمونہ ہے۔ ان کی دوسری کتاب ''تائید الاسلام'' ہے جو اس سے پانچ برس بعد ۱۸۹۸ء میں طبع ہوئی۔ مرزا صاحب ان کی کسی کتاب کا جواب نہیں دے سکے۔ البتہ ۵۔ اپریل ۱۸۹۳ء کو انھیں فارسی زبان میں ایک الہام ضرور ہوا۔ وہ الہام ہے ''پشت بر قبلہ می کنند نماز''۔ مرزائیوں کے تذکرے کا مرتب لکھتا ہے: یہ الہام قاضی محمد سلیمان منصور پوری کے بارے میں ہوا تھا کہ وہ قبلہ کو پیٹھ دے کر نماز ادا کرتے ہیں۔ [تذکرہ صفحہ ۲۶۸] سبحان اللہ! کیا الہام ہے اور کیا اس نبی کی زبان ہے۔

قاضی صاحب نے ۳۰ مئی ۱۹۳۰ء کو سفر آخرت اختیار کیا۔

⑦......سہسوان، ہندوستان کے صوبہ یو پی کا ایک مشہور قصبہ ہے، جس میں بے شمار اصحابِ فضیلت پیدا ہوئے اور انھوں نے اہم علمی خدمات سرانجام دیں۔ ان جلیل القدر حضرات میں ایک عالم دین مولانا محمد بشیر سہسوانی تھے جو ۱۲۵۲ھ (۳۷۔۱۸۳۶ء) میں پیدا ہوئے۔ علم حدیث کی تکمیل حضرت میاں سید نذیر حسین دہلوی سے کی۔ کئی کتابوں کے مصنف اور بہت بڑے مقرر ومناظر تھے۔ کسی زمانے میں حضرت نواب صدیق حسن خاں کے پاس بھوپال چلے گئے تھے۔ ۱۳۱۲ھ (۹۵۔۱۸۹۴ء) میں وہ بھوپال میں تھے کہ مرزا قادیانی نے دہلی آکر اپنی مسیحیت کا ڈھنڈورا پیٹا اور مناظرے کے لیے کہا تو اس کی اطلاع بھوپال میں مولانا محمد بشیر کو بھی پہنچی وہ دہلی تشریف لائے اور ایک مجمعے میں مرزا صاحب سے گفتگو ہوئی۔ موضوع مناظرہ حیات وممات مسیح تھا۔ مرزا صاحب تقریری مناظرے پر رضا مند نہ ہوئے تو تحریری بحث شروع ہوئی۔ مرزا صاحب نے پہلے تو حسب عادت تاویلات سے کام لیا، لیکن جب مولانا کی گرفت مضبوط ہوئی اور انھوں نے حیات مسیح پر دلائل دینا شروع کیے تو مرزا صاحب یہ کہہ کر میدان چھوڑ گئے کہ ان کے خسر تشریف لا رہے ہیں، ان کے استقبال کے لیے دہلی ریلوے اسٹیشن پر ان کا جانا ضروری ہے۔ مولانا نے ''خسر'' کا لفظ سنا تو قرآنِ مجید کی یہ آیت تلاوت فرمائی۔ ﴿ **خسر الدنیا والاخرة ط ذلك هو الخسران المبين** ﴾ (۱)

اس مناظرے کی تفصیل، اس کا پورا تحریری مواد اور مرزا صاحب کا اس سے فرار سب کتابی شکل میں شائع ہو گیا تھا۔ اس کتاب کا نام تھا ''الحق الصریح فی اثبات حیات المسیح''۔ کتاب مطبع انصاری دہلی میں چھپی تھی۔

مولانا محمد بشیر سہسوانی نے ۲۹ جون ۱۹۰۸ء کو دہلی میں وفات پائی اور اپنے استاذ ذی مرتبت حضرت میاں سید نذیر حسین دہلوی کے جوار میں قبرستان شیدی پورہ میں دفن کیے گئے۔

⑧......حضرت مولانا محمد ابراہیم میر سیالکوٹی جماعت اہل حدیث کے ممتاز ترین عالم تھے۔ تقریباً ۸۴ کتابوں کے مصنف۔ مفسر قرآن، زوردار مقرر اور بہت بڑے محقق۔ وسیع المطالعہ اور حاضر جواب مناظر۔ مرزائیت کے خلاف انھوں نے ۱۷ کتابیں تصنیف فرمائیں، جن کے نام یہ ہیں:

(۱) شہادۃ القرآن حصہ اول، (۲) شہادۃ القرآن حصہ دوم، (۳) مسلم الوصول الی اسرار اسراء الرسول، (۴) نزول الملائکۃ والروح الی الارض، (۵) آئینۂ قادیانیت، (۶) الخبر الصحیح من قبر المسیح، (۷) مرقع قادیانی، (۸) فیصلہ ربانی بر مرگ قادیانی، (۹) رحلت قادیانی بمرگ ناگہانی، (۱۰) رسائل ثلاثہ، (۱۱) صدائے حق، (۱۲) تردید مغالطات مرزائیہ، (۱۳) فص ختم نبوت، (۱۴) کھلی چٹھی نمبر ونمبر ۲، (۱۵) ختم نبوت، (۱۶) قادیانی مذہب، (۱۷) ختم نبوت اور مرزا قادیانی۔

مولانا سیالکوٹی پہلے عالم دین ہیں جنھوں نے دو حصوں پر مشتمل کتاب ''شہادۃ القرآن'' میں قرآنِ مجید کی روشنی میں مرزائیت پر بحث کی۔ یہ کتاب کئی دفعہ چھپ چکی ہے۔ کچھ عرصہ پیشتر مجھے جامعہ سلفیہ (فیصل آباد) کے ایک قابل احترام استاد نے بتایا کہ ملتان کے ایک

(۱)...... یہ سورۂ حج کی آیت نمبر گیارہ ہے۔ اس کا ترجمہ یہ ہے: اس نے دنیا اور آخرت دونوں جہان میں نقصان اٹھایا۔ واقعی یہ کھلا نقصان ہے۔

ناشر نے یہ کتاب شائع کی ہے (غالباً حصہ اوّل) لیکن اس پر بہ طور مصنف مولانا محمد ابراہیم سیالکوٹی کا نام نہیں لکھا۔ جب ناشر سے نام نہ لکھنے کی وجہ پوچھی گئی تو جواب دیا کہ نام لکھنے یا نہ لکھنے سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ اصل بات کتاب چھاپنا ہے اور وہ چھپ گئی ہے۔

جماعت اہل حدیث کے اکابر بالخصوص پروفیسر ساجد میر صاحب سے ہم عرض کریں گے کہ وہ اس کی تحقیق کریں، اگر واقعی بہ طور مصنف مولانا کا نام نہیں شائع کیا گیا تو اس ناشر کے خلاف قانونی کارروائی ہونی چاہیے۔ یہ نہایت اہم مسئلہ ہے۔ خاموشی اختیار کی گئی تو ممکن ہے کوئی شخص اسے اپنے نام سے شائع کر دیے۔

مولانا محمد ابراہیم سیالکوٹی اپریل ۱۸۷۴ء کو سیالکوٹ میں پیدا ہوئے اور ۱۲ جنوری ۱۹۵۶ء کو ان کی وفات ہوئی۔

⑨......حضرت حافظ عبداللہ روپڑی علم و عمل اور فضل و کمال میں یگانہ حیثیت کے مالک تھے اور نامور محقق و مدرس۔ بہت سی تحقیقی کتابیں تصنیف فرمائیں۔ اسلام اور مرزائیت کے نام سے انھوں نے بہترین کتاب لکھی۔ حضرت مرحوم کا سال ولادت ۱۸۸۷ء ہے اور مقام ولادت کمیر پور (ضلع امرتسر مشرقی پنجاب) ان کی وفات ۲۰۔ اگست ۱۹۶۴ء کو لاہور میں ہوئی۔

⑩......مولانا عبداللہ معمار امرتسر کے رہنے والے تھے اور سادہ زندگی بسر کرتے تھے۔ پیشے کے اعتبار سے معمار تھے۔ مولانا ثناء اللہ امرتسری کی تربیت سے قادیانی لٹریچر پڑھا اور بہت بڑے مناظر اور مصنف کی حیثیت سے شہرت پائی۔ مرزائیت کے موضوع پر ایک ضخیم کتاب ''محمدیہ پاکٹ بک'' کے نام سے لکھی۔ اس کتاب کو مرزائیت کے خلاف انسائیکلوپیڈیا سے تعبیر کرنا چاہیے۔ یہ کتاب پہلی دفعہ تقسیم ملک سے قبل انجمن اہل حدیث مسجد مبارک لاہور نے شائع کی تھی۔ اس کے بعد مکتبہ سلفیہ لاہور نے شائع کی۔ یہ کتاب بہت مقبول ہوئی اور بہت پڑھی گئی۔

مولانا عبداللہ معمار نے ۲۶۔ اپریل ۱۹۵۰ء کو وفات پائی اور گوجراں والا میں دفن کیے گئے۔ حضرت مولانا محمد اسماعیل نے جنازہ پڑھایا۔

⑪......حبیب اللہ کلرک بھی امرتسر سے تعلق رکھتے تھے اور محکمہ انہار میں کلرک تھے۔ مرزائیت کی تردید میں انھوں نے متعدد کتابیں تصنیف کیں اور اس موضوع کے وہ بہت اچھے مقرر بھی تھے۔ مولانا ثناء اللہ صاحب کے تربیت یافتہ تھے۔ تقسیم ملک کے بعد لاہور آ گئے تھے۔ تھوڑا عرصہ بعد ان کا انتقال ہوگیا تھا۔

⑫......الیاس برنی کی کتاب ''قادیانی مذہب'' قادیانیت کے بارے میں دائرۃ المعارف کا مقام رکھتی ہے۔ یہ کتاب بڑے سائز کے ۱۱۷۵ صفحات پر محیط ہے۔

⑬......مولانا محمد حنیف ندوی پہلے اہل علم اور صاحب قلم ہیں، جنھوں نے ہفت روزہ ''الاعتصام'' میں حکومت پاکستان سے مرزائیوں کو اقلیت قرار دینے کا مطالبہ کیا، بلکہ مرزائیوں سے اپیل کی کہ اب انگریزی حکومت کا دور ختم ہوگیا ہے اور وہ اس مسئلے پر غور کریں کہ پاکستان میں جو آئین بنے گا، اس میں ان کی جگہ کہاں ہوگی۔ نئے نبی کی نئی امت کا مستقبل کیا ہوگا، اس لیے انھیں حکومت سے خود ہی مطالبہ کرنا چاہیے کہ وہ انھیں اقلیت قرار دے کر دوسری اقلیتوں کی طرح ان کے تحفظ کی ذمہ داری لے۔ مولانا ندوی کے اس موضوع سے متعلق مضامین ''الاعتصام'' کے بالکل ابتدائی دور یعنی ۱۹۴۹ء سے ۱۹۵۱ء تک کے بہت سے شماروں میں چھپے۔ بعد ازاں ۱۹۵۲ء میں ''مرزائیت نئے زایوں سے'' کے نام سے کتابی شکل میں معرضِ اشاعت میں آئے۔ پھر یہ کتاب نئے انداز میں مولانا محمد خالد سیف اور اس فقیر کے مقدمات کے ساتھ اپریل ۲۰۰۱ء میں طارق اکیڈمی فیصل آباد کی طرف سے شائع ہوئی۔

علمائے کرام مرزائیوں کو کافر تو قرار دیتے تھے، لیکن ان کو اقلیت قرار دینے کا مطالبہ پہلی دفعہ مولانا محمد حنیف ندوی نے ''الاعتصام'' کے صفحات میں کیا۔

⑭...... حافظ محمد ابراہیم کمیرپوری کو بھی مرزائیت سے متعلق

بہت معلومات حاصل تھیں اور خطابت وتقریر میں بھی اللہ کی طرف سے انھیں خاص ملکہ ودیعت کیا گیا تھا۔ انھوں نے مرزائیت کی تردید میں ''فسانہ قادیان'' نام سے کتاب لکھی جس نے اس موضوع سے دلچسپی رکھنے والے حلقے میں بڑی مقبولیت پائی۔ حافظ صاحب کا سانحہ ارتحال ۱۹۔ جون ۱۹۸۹ء کو پیش آیا۔

⑮......علامہ احسان الٰہی ظہیر نے ''القادنیہ'' کے نام سے عربی میں کتاب لکھی جو عرب ممالک میں بہت پھیلی اور بڑے بڑے عرب شیوخ کے مطالعہ میں آئی پھر اس کے فارسی، اردو اور انگلش ترجمے بھی چھپ کر عام ہوئے۔ علامہ کی مرزائیت کی تردید میں یہ بہت بڑی خدمت ہے۔ وہ اپنے نو ساتھیوں سمیت ۲۳ مارچ ۱۹۸۷ء کے بم دھماکے میں شہید ہوئے۔ قبرستان جنت البقیع میں مدفون ہیں۔

⑯......مولانا حکیم عبدالرحیم اشرف نے اپنے ہفت روزہ اخبار ''المنبر'' میں مرزائیوں کی تردید میں بہت کچھ لکھا اور خوب صورت اسلوب میں لکھا۔ ان مضامین کو ''قادیانی کافرکیوں'' کے نام سے الگ کتابی صورت میں طبع کر دیا گیا ہے۔

⑰......اب چند سال سے ''تحریک ختم نبوت'' کے عنوان سے ہمارے دوست ڈاکٹر محمد سلیمان اظہر ڈاکٹر محمد بہاء الدین کے قلمی نام سے تصنیفی خدمات سرانجام دے رہے ہیں۔ اس سلسلے کی ان کی ساتویں جلد طباعت کے مراحل طے کر رہی ہے۔ یہ اپنے انداز کا بے حد مفید اور مفصل سلسلہ ہے۔

مرزائیت کے بارے میں اہل حدیث کی ان تحریری وتصنیفی خدمات کا تذکرہ قلم روک روک کر نہایت اختصار کے ساتھ کیا گیا ہے۔ ان میں مولانا حافظ عبدالقادر روپڑی، مولانا احمد الدین گکھڑوی، مولانا نور حسین گھرجاکھی، مولانا محمد رفیق پسروری اور دیگر بہت سے حضرات کی مناظرانہ مساعی کا ذکر نہیں کیا گیا۔ اور بھی بہت سی باتیں چھوڑ دی گئیں ہیں۔ صرف اشاروں سے کام لیا گیا ہے۔

۱۹۵۳ء کی تحریک تحفظ ختم نبوت میں مجلس عمل کے ناظم اعلیٰ مولانا سید محمد داؤد غزنوی تھے۔ اس میں اہل حدیث کے بہت سے علمائے کرام گرفتار ہوئے اور کئی کئی مہینے ملک کی مختلف جیلوں میں رہے۔ ان میں مولانا محمد اسماعیل سلفی، مولانا معین الدین لکھوی، مولانا عبداللہ گورداس پوری، مولانا عبید اللہ احرار، مولانا حکیم عبدالرحیم اشرف، مولانا محمد حسین شیخوپوری اور دیگر بہت سے حضرات شامل ہیں۔ پھر چک نمبر ۳۶ گ ب (ضلع فیصل آباد) کے تقریباً سو آدمی گرفتار ہوئے جن میں مولانا حافظ احمد اللہ بڈھیمالوی بھی شامل تھے۔ یہ لوگ کئی مہینے فیصل آباد کی جیل میں قید رہے۔ ہمارے گاؤں چک نمبر ۵۳ گ ب منصور پور کے بھی متعدد افراد گرفتار ہوئے۔

۱۹۷۴ء کی تحریک تحفظ ختم نبوت میں بھی بے شمار اہل حدیث کو گرفتار کر کے ملک کی مختلف جیلوں میں قید کیا گیا۔ اس فہرست میں مولانا معین الدین لکھوی، مولانا عبداللہ امجد چھتوی اور ان کے علاوہ لاتعداد اہل حدیث کے نام شامل ہیں۔

یہ ایک مستقل کتاب کا موضوع ہے، جس میں اہل حدیث کی خدمات کو تفصیل سے اجاگر کیا جائے۔ اخباری مضمون اس کے لیے کافی نہیں ہے۔ اس میں تو چند اشارے ہی کیے جاسکتے ہیں، وہ بھی بے حد اختصار کے ساتھ۔ اور وہ کر دیے گئے ہیں۔

اس موضوع کے سلسلے میں ہم کسی پر تنقید نہیں کرنا چاہتے اور نہ یہ ہمارا منصب ہے۔ ہمارا مقصد مثبت انداز میں صرف جماعت اہل حدیث کی تگ ودو کی نشان دہی کرنا ہے۔ کسی سے تقابل یا جھگڑا ہرگز ہمارا نقطہ نظر نہیں ہے اور ہماری یہ عادت بھی نہیں ہے۔



دعائے صحت

پروفیسر مولانا محمد ابراہیم خادم قصوری خطیب جامعہ ابراہیمیہ اہل حدیث منڈی کنگن پور ضلع قصور، ہیپا ٹائٹس (سی) میں مبتلا ہیں اور جناح ہسپتال پرائیویٹ وارڈ نمبر۲، کمرہ نمبر۳، دوسری منزل لاہور میں زیر علاج ہیں۔ احباب جماعت سے دعائے صحت کی درخواست ہے۔

[صاحبزادہ اسحاق خادم قصوری]

عقیدۂ ختمِ نبوت میں

علمائے اہل حدیث کی بے مثال خدمات

حضرت قاری نعیم الحق نعیم رحمہ اللہ

عقیدۂ ختم نبوت کی اہمیت کسی مسلمان سے مخفی نہیں، مسلمان قوم کی حیاتِ اجتماعی اور وحدتِ ملی اسی عقیدے کے ساتھ وابستہ ہے۔ قرآن، حدیث، اجماع صحابہ اور اجماع علمائے امت سب کے سب اس کی حقانیت پر دلالت کرتے ہیں۔ لیکن اس قدر مسلمہ حقیقت اور اجماعی عقیدے کے خلاف جس وقت سرزمین قادیان میں ایک گہری سازش کے تحت انگریز کی حکومت کو مضبوط کرنے اور مسلمانوں کی وحدتِ ملی کو پارہ پارہ کرنے کے لیے قادیانی نبوت کا سوانگ رچا کے قصرِ ختم نبوت میں نقب زنی کی گئی تو متحدہ ہندوستان کی تاریخ کے اس نازک ترین وقت میں ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ تمام مسلمان اجتماعی طور پر اٹھ کر اس کے خلاف اس کردار کا مظاہرہ کرتے جس کا مظاہرہ اپنے دورِ خلافت میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور آپ کے ساتھیوں رضی اللہ عنہم نے مسیلمہ کذاب اور اس کے حواریوں کے خلاف کیا تھا۔ مگر افسوس! کہ مسلمان قوم کو اس وقت نہ ابوبکر رضی اللہ عنہ جیسا قائد میسر تھا اور نہ اس کے پاس حکومت وسلطنت تھی کہ وہ ایسا کر پاتی۔ تاہم اس نوزائیدہ فتنے کی سرکوبی کے لیے اس نازک وقت میں علمائے امت، خصوصاً علمائے اہل حدیث نے جو خدمات سرانجام دی تھیں اور تب سے اب تک مسلسل دیتے چلے آرہے ہیں، وہ انتہائی قابل قدر اور ناقابل فراموش ہیں۔ بلکہ اگر یہ کہا جائے کہ اس سلسلے میں علمائے اہل حدیث کا کردار سب سے زیادہ تابناک، مؤثر اور قائدانہ رہا ہے تو کوئی مؤرخ اس تاریخی حقیقت کو جھٹلا نہیں سکتا۔

ذیل میں ہم ان چیدہ چیدہ علمائے اہل حدیث کا مختصراً تذکرہ وتعارف پیش کریں گے جنھوں نے اس فتنۂ قادیانیت کے خلاف انتہائی سرگرمی کے ساتھ کام کیا اور جن کے علمی معرکوں کو نہ خود قادیانی حضرات بھول سکتے ہیں اور نہ دوسرے لوگ۔

فتنۂ قادیانیت کی تردید میں اگرچہ سب سے زیادہ اور نمایاں خدمات مولانا محمد حسین بٹالوی رحمہ اللہ اور مولانا ثناء اللہ امرتسری رحمہ اللہ کی ہیں۔ لیکن تاریخی ترتیب کو ملحوظ رکھتے ہوئے ہم اس سلسلے کا آغاز، شیخ الکل فی الکل، جانشین مسند ولی اللہی حضرت سید نذیر حسین محدث دہلوی رحمہ اللہ کے نام نامی وذکر گرامی سے کرتے ہیں۔ بعض علمائے کرام کی ولادت ووفات کی تاریخ نہیں مل سکی، اس لیے محض اندازے سے انھیں مناسب جگہ پر رکھنے کی کوشش کی گئی ہے، جو غلط بھی ہوسکتی ہے۔

(۱)......شیخ الکل حضرت میاں نذیر حسین محدث دہلوی رحمہ اللہ:

شیخ الکل حضرت میاں صاحب رحمہ اللہ (ولادت ۱۲۲۰ھ وفات ۱۳۲۰ھ) کی شخصیت کسی تعارف کی محتاج نہیں۔ آپ وہ تنہا فرد ہیں جنھوں نے خاندان ولی اللہی سے باہر ہونے کے باوجود مسند ولی اللہی کو زینت بخشی۔ آپ کی علمی جلالت اور دینی امامت عرب وعجم میں مسلّم تھی۔ آپ بہت بڑے محدث اور فقیہ تھے۔ دور دراز کے لوگ آپ کے پاس علم حدیث پڑھنے کے لیے حاضر ہوتے۔ آپ کے فتوے کو ہندوستان بھر میں بڑی اہمیت دی جاتی تھی۔

چناں چہ مرزا غلام احمد قادیانی کے مختلف دعوے (مسیحیت،

مہدویت، نبوت ورسالت وغیرہ) ۱۸۹۱ء میں منظر عام پر آئے تو حضرت میاں صاحب رحمہ اللہ کے لائق ترین شاگرد مولانا محمد حسین بٹالوی رحمہ اللہ نے مرزا صاحب کے دعووں کا ایک مرقع تیار کیا اور اسے سب سے پہلے حضرت میاں صاحب کی خدمت میں پیش کر کے ان کے متعلق فتویٰ طلب کیا کہ ایسے عقائد کے حامل شخص کا شریعت اسلامیہ میں کیا حکم ہے؟

حضرت میاں صاحب رحمہ اللہ نے اس کا تفصیلی جواب رقم فرمایا اور اس میں قرآن وحدیث کے دلائل وبراہیم سے ثابت فرمایا کہ ایسا شخص دائرۂ اسلام خصوصاً مسلک اہل سنت سے خارج ہے۔ اس کے بعد مولانا بٹالوی رحمہ اللہ نے اس فتوے کو ملک کے طول وعرض میں تمام اہم علمائے کرام ومفتیانِ عظام کے پاس پہنچایا اور ان سے اس فتوے کی تصدیق وتائید لکھوائی۔ ہندوستان بھر کے ان جید علمائے کرام کا یہ فتویٰ جو ان کے دستخطوں اور مہروں سے مزین تھا، حضرت بٹالوی رحمہ اللہ نے اپنے رسالے ''اشاعۃ السنۃ'' میں شائع فرما کر ملک کے گوشے گوشے میں پہنچا دیا۔

اس فتوے میں اصل جواب چوں کہ حضرت میاں صاحب رحمہ اللہ کا لکھا ہوا تھا اور باقی سب علماء نے اس کی تصدیق وتائید کی تھی، اس لیے حضرت میاں صاحب کی علمی جلالت ومسلمہ حیثیت کی وجہ سے اس فتوے کی بنا پر قادیانی امت میں ایک زلزلہ برپا ہوگیا۔ کتنے ہی متذبذب لوگوں کو یقین وایمان کی دولت واپس مل گئی، کتنے ہی مریدوں کو مرزا صاحب کے دام فریب سے نجات حاصل کرنے کی توفیق میسر آ گئی، اور مرزا صاحب کی اپنی حالت کیا ہوئی؟ اس کے اندازے کے لیے ان کے درج ذیل ''ارشاداتِ عالیہ'' پر نظر ڈالیے:

''چوں کہ علمائے پنجاب اور ہندوستان کی طرف سے فتنۂ تکفیر وتکذیب حد سے زیادہ گزر گیا ہے اور نہ فقط علماء بلکہ فقراء اور سجادہ نشین بھی اس عاجز کے کافر اور کاذب ٹھہرانے میں مولویوں کی ہاں میں ہاں ملا رہے ہیں۔ ایسا ہی ان لوگوں کے اغواء سے ہزار ہا لوگ ایسے پائے جاتے ہیں کہ وہ ہمیں نصاریٰ اور ہنود سے بھی اکفر سمجھتے ہیں۔ اگر چہ اس تکفیر کا بوجھ نذیر حسین دہلوی کی گردن پر ہے، مگر تاہم دوسرے مولویوں کا یہ گناہ ہے کہ انھوں نے اس نازک امر تکفیر میں اپنی عقل اور اپنی تفتیش سے کام نہیں لیا بلکہ نذیر حسین کے دجالانہ فتویٰ کو دیکھ کر جو محمد حسین بٹالوی نے تیار کیا تھا۔ بغیر تحقیق وتنقیح کے ایمان لے آئے ہیں۔'' [انجام آتھم از مرزا غلام احمد قادیانی، ص:۴۵، مطبوعہ ۱۸۹۷ء]

''مولوی محمد حسین نے یہ فتویٰ لکھا اور میاں نذیر حسین دہلوی سے کہا کہ سب سے پہلے اس پر مہر لگا دے اور میرے کفر کی بابت فتویٰ دے دے اور تمام مسلمانوں میں میرا کافر ہونا شائع کر دے، سو اس فتویٰ اور میاں صاحب مذکور کی مہر سے بارہ برس پہلے یہ کتاب (براہین احمدیہ) تمام پنجاب اور ہند میں شائع ہو چکی تھی اور مولوی محمد حسین جو بارہ برس بعد اوّل الکافرین بنے، بانی تکفیر کے وہی تھے اور اس آگ کو اپنی شہرت کی وجہ سے تمام ملک میں سلگانے والے میاں نذیر حسین دہلوی تھے۔'' [تحفہ گولڑویہ از مرزا غلام احمد قادیانی، ص:۱۲۱ مطبوعہ قادیان ۱۹۱۴ء]

ان اقتباسات سے صاف معلوم ہو رہا ہے کہ مرزا صاحب اس فتوے سے بہت بوکھلا گئے تھے اور واقعی اس سے ان کی بوکھلاہٹ ضروری تھی۔ کیوں کہ یہ فتویٰ انتہائی مدلل اور مسکت تھا۔ آج تک نہ مرزا صاحب اس کا جواب دے سکے اور نہ ان کی امت، بلکہ اس فتوے کی اشاعت سے انھیں محسوس ہوگیا کہ آج تک امت مسلمہ میں شامل رہنے کے لیے انھوں نے جو جامہ نفاق پہن رکھا تھا وہ تار تار ہونے کو ہے اور اگر یہ کہا جائے کہ یہ فتویٰ ایوانِ قادیانیت کی بنیادوں میں ''ٹائم بم'' رکھنے کے مترادف تھا، جو ۱۹۷۴ء کی تحریک ختم نبوت کے نتیجے میں قادیانیوں کو اقلیت قرار دیئے جانے کی صورت میں پھٹا، تو بھی بے جا نہ ہوگا۔

(۲)......حضرت مولانا غلام العلی قصوری رحمہ اللہ:

مولانا غلام العلی قصوری رحمہ اللہ (ولادت ۴۲-۱۲۴۱ھ وفات ۱۳۰۶ھ) ان خوش قسمت اور جرأت مند علمائے حق میں سے ہیں، جنھوں نے اپنی تحقیق سے مسلک عمل بالحدیث کو اپنایا اور بڑی استقامت کے ساتھ اس پر گامزن رہے۔ وعظ وتبلیغ اور اصلاح وارشاد

کے لیے اپنے آپ کو یوں وقف کررکھا تھا کہ امرتسر کے مدرسے کی ملازمت کو بھی خیر باد کہہ دیا۔ [تفصیلی حالات کے لیے دیکھئے تذکرۂ علمائے پنجاب، ج:۱،ص:۴۰۴،۴۰۵]

ایسے شخص کے لیے کیسے ممکن ہے کہ فتنۂ قادیانیت اس کے سامنے سر اٹھائے اور وہ اسے کچلنے کے لیے کوئی قدم نہ اٹھائے۔ چناں چہ آپ بھی ان علمائے متقدمین میں سے ہیں جنھوں نے مرزا صاحب کی ابتدائی تحریروں سے ہی اندازہ لگا لیا تھا کہ ان کا لکھنے والا آئندہ کسی وقت بھی نبوت کا دعویٰ کرکے امت مسلمہ کے لیے فتنہ بن سکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مرزا نے آپ کا نام بھی ان اکابر علماء میں شمار کیا ہے جو ابتدا ہی میں ان کی مخالفت پر کمر بستہ ہوگئے تھے۔

[دیکھئے براہین احمدیہ، ج:۴،ص:۵۴۵،۵۴۴،۵۴۴]

(۳)......حضرت مولانا محمد بشیر سہسوانی رحمہ اللہ:

میاں صاحب رحمہ اللہ کے ارشد تلامذہ میں مولانا محمد بشیر سہسوانی (ولادت ۱۲۴۵ھ وفات ۱۳۲۳ھ) ایک بلند پایہ محقق، مصنف اور مناظر عالم دین تھے۔ آپ کی شہرہ آفاق تصنیف ''صیانۃ الانسان'' ردّ شرک میں نہایت معرکے کی کتاب ہے، جو عرب علماء سے بھی اپنا لوہا منوا چکی ہے۔ مرزا غلام احمد قادیانی کے دجل وفریب کا پردہ چاک کرنے میں بھی آپ انتہائی متحرک اور فعال رہے۔ آپ بھوپال میں نواب صدیق حسن خاں رحمہ اللہ کے پاس قیام پذیر تھے۔

اکتوبر ۱۸۹۱ء میں جب مرزا صاحب نے دہلی میں اشتہار بازی شروع کی تو میاں صاحب رحمہ اللہ کے شاگرد جو بڑے بڑے نامور علماء تھے، دہلی میں جمع ہوگئے۔ پنجاب سے مولانا بٹالوی رحمہ اللہ اور بھوپال سے مولانا محمد بشیر سہسوانی رحمہ اللہ بھی پہنچ گئے۔ اس طرح علماء کا ایک اچھا خاصا مجمع بن گیا۔

مرزا صاحب نے حضرت میاں صاحب رحمہ اللہ کو مناظرے کا چیلنج دے رکھا تھا، میاں صاحب کے ضعف وپیری کے باوجود چیلنج کو قبول کرلیا گیا۔ مرزا صاحب، میاں صاحبؒ کے مقابل جامع مسجد دہلی میں مناظرہ کرنے سے فرار اختیار کرنے لگے تو بعض بزرگانِ دہلی کے توسط سے ایک علیحدہ مکان میں مرزا صاحب اور مولانا سہسوانی کے درمیان ایک مناظرہ ہونا طے پا گیا۔ ہیرا پھیری کے باوجود مرزا صاحب کو اس مناظرے کے لیے حاضر کیا گیا۔ متعین شرائط کے ساتھ طرفین سے پانچ پانچ پرچے لکھنا طے ہوا تھا لیکن بارہا شرائط کی خلاف ورزی کرنے کے باوجود مرزا صاحب تین پرچوں سے آگے نہ جا سکے اور بحث ناتمام چھوڑ کر مناظرے سے دست بردار ہوگئے۔ مولانا سہسوانی رحمہ اللہ نے ''الحق الصریح فی اثبات حیات المسیح'' کے نام سے اس مناظرے کی پوری روداد قلم بند کی ہے۔ ابتدا میں ان شرائط کا بھی ذکر کیا ہے جن کے تحت مناظرہ شروع ہوا تھا۔ ان میں ایک شرط یہ تھی:

''اوّل بحث حیات مسیح علیہ السلام میں ہو۔ اگر حیات ثابت ہوجائے تو مرزا صاحب مسیح موعود ہونے کا دعویٰ خود چھوڑ دیں گے۔ اور اگر وفات ثابت ہو تو مرزا صاحب کا اصل دعویٰ یعنی عدم نزولِ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور مرزا صاحب کا مسیح موعود ہونا ثابت نہ ہوگا۔ پھر حضرت مسیح علیہ السلام کے نزول اور مرزا صاحب کے مسیح موعود ہونے میں بحث کی جائے گی اور جو شخص طرفین میں سے ترک بحث کرے گا، اس کا گریز کرنا سمجھا جائے گا۔'' [الحق الصریح،ص:۲،۳]

اس شرط کو ملحوظ رکھتے ہوئے اس مناظرے کا حاصل مولانا سہسوانی کی زبانی سنیے:

''...... چھ روز تک سلسلۂ مباحثہ جاری رہا، چھٹے روز کہ تین پرچے میرے ہوچکے تھے اور تین پرچے مرزا صاحب کے، مرزا صاحب نے پہلی ہی بحث کو ناتمام چھوڑ کر مباحثہ قطع کیا......اس وقت ایک مضمون جو پہلے سے بنظر احتیاط لکھ رکھا تھا اور وہ متضمن تھا اس امر پر کہ مرزا صاحب کی جانب سے نقضِ عہد ومخالفتِ شرط ہوئی، مرزا صاحب کی موجودگی میں سب حاضرین جلسہ کو سنا دیا گیا۔ حاضرین جلسہ مرزا صاحب کو الزام دیتے تھے، مگر مرزا صاحب نے ایک نہ سنی۔ اسی روز تہیہ سفر کرکے شب کو دہلی سے تشریف لے گئے۔ مرزا صاحب کے یہ افعال دلیل ہیں اس پر کہ ان کے پاس اصل مسئلہ یعنی ان کے مسیح موعود ہونے کی کوئی دلیل نہیں ہے۔ اصل بحث کے لیے دو سدّ ہیں

(دیواریں) انھوں نے بنا رکھی ہیں۔ ایک بحث حیات ووفاتِ مسیح دوسرے نزول عیسیٰ علیہ السلام، جب دیکھا کہ ایک سد، جوان کے زعم میں بڑی راسخ تھی ٹوٹنے کے قریب ہے، اس کے بعد دوسری سد کی، جو ضعیف ہے، نوبت پہنچے گی، پھر اصل قلعہ پر حملہ ہوگا، وہاں کچھ ہے ہی نہیں تو قلعی کھل جائے گی۔ اس لیے فرار مناسب سمجھا، بعد انقطاع مباحثہ اور چلے جانے مرزا صاحب کے احقر دوروز دہلی میں متوقف رہ کر روز شنبہ کوڈاک گاڑی میں روانہ بھوپال ہوا۔''

[الحق الصریح فی اثبات حیاۃ المسیح، ص:۳۰،۴۰]

معلوم نہیں مرزا صاحب کیا کیا اغراض ومقاصد لے کر دہلی میں وارد ہوئے تھے اور میاں صاحب کو کیا سمجھ کر مناظرے کا چیلنج دے بیٹھے تھے، لیکن مرزا صاحب کی اس شکست فاش کا نتیجہ یہ ہوا کہ انھیں دوبارہ دہلی کا رخ کرنے کی جرأت نہ ہوئی اور اس طرح شہر دہلی جو اس وقت ہندوستان کا دارالحکومت اور مسلمانانِ ہند کا سب سے بڑا علمی اور تہذیبی مرکز تھا، مرزا صاحب کی جولانیوں اور فتنہ سامانیوں سے محفوظ ہوگیا۔

(۴)......حضرت مولانا محمد جعفر تھانیسری رحمہ اللہ:

مولانا محمد جعفر تھانیسری رحمہ اللہ (ولادت ۱۲۵۴ھ وفات ۱۳۲۳ھ) چوٹی کے علمائے اہل حدیث میں سے ہی نہ تھے بلکہ سید احمد شہید رحمہ اللہ اور سید اسماعیل شہید رحمہ اللہ کی جماعت کے سربر آوردہ مجاہدین میں سے بھی تھے۔ حضرت میاں صاحب رحمہ اللہ کے ساتھ آپ کے بڑے گہرے تعلقات تھے۔ راہِ جہاد میں انتہائی کٹھن مراحل سے گزرے، کسی مقام پر بھی آپ کے قدم نہ ڈگمگائے۔

آپ تصنیف وتالیف کا ذوق بھی رکھتے تھے۔ کئی کتابوں کے مصنف ہیں جن میں سے ''کالا پانی'' اور ''سوانح احمدی'' بہت مشہور ہیں۔ مرزا غلام احمد قادیانی کے ردّ میں بھی آپ نے خاصا بنیادی اور مفید کام کیا ہے۔ اپنی کتاب ''سوانح احمدی'' (سید احمد شہید رحمہ اللہ کے حالاتِ زندگی) کے خاتمہ میں مرزا صاحب کی ''مسیحیت ومہدویت'' کا بالاختصار ردّ کیا ہے۔ اس میں انھوں نے اپنی اس رائے کا اظہار بھی کیا ہے کہ ایسے اظہر من الشّمس کذاب ودجال سے بحث ومباحثہ میں الجھنا بھی نیم دیوانگی ہے۔ کیوں کہ اس طرح اس کی اہمیت وشہرت میں اضافے کا اندیشہ ہے۔ لیکن بعد میں جب انھوں نے دیکھا کہ یہ شخص عیاری ومکاری اور دجل وفریب میں بے حیائی اور ڈھٹائی کی آخری سرحدوں کو چھو رہا ہے تو خود بھی اس کے خلاف میدانِ تصنیف وتالیف میں اتر آئے۔ چناں چہ اس سلسلہ میں ایک تو انھوں نے اپنی کتاب ''برکات الاسلام' مطبوعہ غالباً ۱۸۹۸ء کے باب، فیوچر آف اسلام (اسلام کا روشن مستقبل) میں مرزا صاحب کے مسیحیت ومہدویت وغیرہ کے جھوٹے دعاوی کی حقیقت بیان کی اور دوسرے مرزا صاحب کے رسالے ''نشانِ آسمانی'' کا مستقل جواب ''تائیدِ آسمانی در ردّ نشان آسمانی'' تحریر فرمایا، یہ رسالہ پہلی مرتبہ ۱۳۰۱ھ مطابق ۱۸۹۲ء میں اختر ہند پریس ہال بازار امرتسر سے طبع ہوا تھا۔ اس کے بعد ۱۳۹۹ھ میں استاذنا المکرّم مولانا محمد عطاء اللہ حنیف رحمہ اللہ نے اپنے مکتبہ سلفیہ کی طرف سے اسے شائع فرمایا، اس کتابچے کے مقدمہ میں استاذنا المحترم رقمطراز ہیں:

''......مرزائے قادیانی کو مولوی جعفر کے ہاں سے ایک عربی رسالہ بنام ''الاربعین فی احوال المھدیین'' ہاتھ آ گیا، جس کے ساتھ نعمت اللہ ولی نامی کسی شاعر کی طرف منسوب ایک قصیدہ بھی تھا جس میں پیشین گوئیوں کی بھرمار تھی۔ مرزا صاحب نے جو مسیح دجال کا مظہر اتم ہونے کے ناطے سے عوام کی نفسیات سے کھیلنے میں خوب ماہر تھے، ان پیشین گوئیوں کے لیے ''نشانِ آسمانی'' کے طور پر رسالہ دھر گھسیٹا، مولوی محمد جعفر نے ''تائیدِ آسمانی'' میں اس رسالے کا سب تار وپود بکھیر دیا ہے۔'' [مقدمہ تائیدِ آسمانی، ص:٦]

یہ رسالہ مطبوعہ مکتبہ سلفیہ لاہور، ۳۸ صفحات پر مشتمل ''بقامت کہتر بقیمت بہتر'' کا مصداق اور انتہائی معلومات نادرہ اور فوائد علمیہ کا حامل ہے۔ کتاب کے آغاز میں حضرت الاستاذ المکرّم رحمہ اللہ کا لکھا ہوا مقدمہ ہے، جس میں کتاب اور مصنف دونوں کا مختصر اور جامع تعارف پیش کردیا گیا ہے۔

(۵)......حضرت مولانا ابوسعید محمد حسین بٹالوی رحمہ اللہ:

مولانا محمد حسین بٹالوی رحمہ اللہ (ولادت ۱۲۵۶ھ وفات ۱۳۳۸ھ) کی شخصیت بھی محتاجِ تعارف نہیں۔ آپ حضرت میاں صاحب رحمہ اللہ کے لائق ترین شاگردوں میں سے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو تقریر وتحریر کی صلاحیت، فہم وذکاء، علم وتفقہ اور دیگر بے شمار نعمتوں سے حظ وافر عطا فرمایا تھا۔ ''اشاعت السنۃ'' جیسا انتہائی علمی پرچہ مدتِ دراز تک آپ کی ادارت میں نکلتا رہا۔ اسلام کی تبلیغ واشاعت اور اس کی وکالت ودفاع میں اور اسی طرح خلافِ اسلام فتنوں کے استیصال میں آپ ہمہ وقت مستعد اور سرگرم رہے۔ آپ کے مرزا صاحب کے ساتھ، ان کے دعوائے نبوت سے قبل دوستانہ مراسم تھے لیکن دعوائے نبوت کے بعد ان کے سب سے بڑے مخالف اور حریف پنجہ فگن بھی آپ ہی ثابت ہوئے۔

ردّ قادیانیت میں حضرت بٹالوی رحمہ اللہ کی خدمات کا سلسلہ بہت طویل ہے۔ ہم یہاں مرزا صاحب کی ایک پیشین گوئی کا قصہ بیان کرنے پر اکتفا کریں گے جو آپ کے متعلق تھی۔ اسی سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ آپ فتنۂ قادیانیت کے خلاف کس قدر پرجوش اور سرگرم تھے اور اس سلسلے میں آپ کی مساعی کس قدر سنجیدہ ومؤثر اور قابل قدر ہیں۔ مرزا صاحب کے متعلق تکفیر کا اوّلیں فتویٰ حاصل کرنے کے متعلق آپ کی مساعی کا ذکر گزر ہی چکا ہے۔

پشاور میں ایک صاحب ''پنڈت لیکھرام'' ہوا کرتے تھے جو آریہ کے انتہائی منہ پھٹ اور بدزبان مناظر تھے۔ مرزا صاحب نے ان سے چھیڑ چھاڑ کرتے ہوئے ان کو دعوتِ مباہلہ دی جو قبول کرلی گئی۔ اس مباہلے کے اثر کے ظہور کے لیے ایک سال کی مدت مقرر کی گئی۔ یعنی ایک سال کے عرصہ میں اگر مرزا صاحب پر کوئی عذاب ووبال نازل ہوگیا یا آپ کے حریف پر کوئی عذاب ووبال نازل نہ ہوا تو ''ان دونوں صورتوں میں یہ عاجز (مرزا) قابل تاوان پانسو روپیہ ٹھہرے گا۔'' [سرمہ چشم آریہ، ص:۱۲،۱۳، مرزا غلام احمد قادیانی]

اس مباہلہ نامہ کی اشاعت کے بعد ایک سال تک پنڈت لیکھرام اور مرزا صاحب میں سے کسی پر بھی کوئی عذاب ووبال نازل نہ ہوا دونوں صحیح وسالم رہے۔ مرزا صاحب کے کاذب ہونے کے لیے یہی کافی تھا لیکن وہ انتہائی ڈھیٹ انسان تھے۔ تقریباً آٹھ سال بعد جب لیکھرام کو کسی نے چھرے سے قتل کردیا تو مرزا صاحب خوب چہکے۔ ۱۵/ مارچ ۱۸۹۷ء کو ایک اشتہار شائع کیا جس میں اس واقعے کو اپنی پیشین گوئی اور اپنے دعوائے مسیحیت کی صداقت کا عظیم الشان خدائی نشان قرار دیتے ہوئے اپنے مخالفین خصوصاً مولانا محمد حسین بٹالوی رحمہ اللہ کو آڑے ہاتھوں لیا اور لکھا کہ

''اگر جلسہ عام میں میرے روبرو مولوی محمد حسین صاحب قسم کھا کر یہ کہہ دے کہ پیش گوئی خدائے تعالیٰ کی طرف سے نہیں تھی اور نہ سچی نکلی اور اگر خدا کی طرف سے تھی اور فی الواقعہ پوری ہوگئی تو اے قادرِ مطلق! ایک سال کے اندر میرے پر کوئی عذابِ شدید نازل کر۔ پھر اگر مولوی صاحب موصوف اس عذابِ شدید سے ایک سال تک کے لیے بچ گئے تو ہم اپنے تئیں جھوٹا سمجھیں گے اور مولوی صاحب کے ہاتھ پر توبہ کریں گے۔ اور جس قدر ہمارے پاس اس بارے میں الہام ہوں گے جلا دیں گے۔'' [چودھویں صدی کا مسیح، ص:۳۸۱]

مولانا بٹالوی رحمہ اللہ نے مرزا صاحب کے ہتھکنڈوں کو خوب سمجھنے کی وجہ سے، اس اشتہار کے شائع ہوتے ہی اس کی خبر لی اور لکھا:

''یہ خاکسار (مولانا بٹالوی) اپنی نیک نیتی اور سچائی کی نظر سے اور خدائے تعالیٰ کے ناصر ومعاونِ حق ہونے کی امید وبھروسہ پر آپ کی دعوتِ قسم قبول کرنے کو بلاکسی معاوضہ یا تاوان کے حاضر ہے۔''

[اشاعۃ السنۃ نمبر۲، جلد:۱۸، ص:۵۱، ۵۲]

ایک طرف یہ لے دے چل رہی تھی، دوسری طرف عام تاثر یہ تھا کہ لیکھرام کا قتل مرزا صاحب کی سازش کا نتیجہ ہے، پولیس مرزا صاحب کی خانہ تلاشی کرچکی تھی، اس قتل پر مرزا صاحب کے نام تہنیت کے بعض خطوط برآمد کرکے سازش کی کڑیاں ملا رہی تھی اور تیسری طرف ڈاکٹر عبداللہ آتھم کے ساتھی ڈاکٹر ہنری کلارک نے یہ کیس دائر کردیا کہ مرزا صاحب سے میری جان کو خطرہ ہے۔ کیوں کہ انھوں نے

میرے قتل کے لیے ایک آدمی بھیجا تھا اور آئندہ بھی بھیج سکتے ہیں۔ ۱۳/ اگست ۱۸۹۷ء کو اس کیس کا فیصلہ کرتے ہوئے گورداسپور کے ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ نے مرزا صاحب کو متنبہ کیا کہ اگر وہ اپنے مخالفین کے سلسلے میں میانہ روی اختیار نہ کریں گے تو قانون کی زد سے بچ نہیں سکتے۔ اس سے مرزا صاحب کا قافیہ اس قدر تنگ ہو گیا کہ مخالفین کے بارے میں الہامات کی آمد ہی بند ہو گئی۔ اور مولانا بٹالوی ؒ کے اڑنگے میں پھنسی ہوئی ٹانگ نکلنے کی بجائے اور زیادہ پھنس کر بلکہ بے بس ہو کر رہ گئی۔ لیکن مرزا صاحب عیار و مکار آدمی تھے، خود سامنے آنے کی بجائے اپنے مریدوں کے ذریعے چار شہروں ...... لاہور، لدھیانہ، پٹیالہ اور شملہ...... سے اشتہار شائع کروائے، جن کے مضمون کا خلاصہ یہ تھا کہ

''مولوی محمد حسین بٹالہ ہی میں مرزا صاحب کے ساتھ مباہلہ کریں گے، اگر اس مباہلہ کا اثر ظاہر نہ ہوا، یعنی مولانا بٹالوی پر سال بھر میں کوئی عذاب شدید نازل نہ ہوا تو انھیں آٹھ سو پچیس روپے انعام دیا جائے گا۔''

اس کے جواب میں حضرت مولانا ابوالحسن تبّتی ؒ، جو حضرت بٹالوی ؒ کے دست راست تھے، نے لکھا کہ اگر مرزا صاحب خود مباہلے کا اشتہار دیں یا ان شائع شدہ اشتہاروں کے بارے میں یہ ظاہر کر دیں کہ یہ ان کی مرضی سے لکھے گئے ہیں تو مولانا بٹالوی ؒ مباہلے کے لیے بلا پس و پیش حاضر ہیں۔ مولانا ابوالحسن تبّتی کے اس اشتہار کے جواب میں مرزا صاحب مباہلہ کی ہمت تو نہ کر سکے، البتہ ایک اشتہار شائع کیا جس میں لکھا:

میں نے خدائے تعالیٰ سے دعا کی ہے کہ وہ مجھ میں اور محمد حسین میں آپ فیصلہ کرے اور وہ دعا جو میں نے کی ہے یہ ہے کہ اے میرے ذوالجلال پروردگار! اگر میں تیری نظر میں ایسا ہی ذلیل اور جھوٹا اور مفتری ہوں جیسا کہ محمد حسین بٹالوی نے اپنے رسالہ اشاعۃ السنہ میں بار بار مجھ کو کذاب اور دجال اور مفتری کے لفظ سے یاد کیا ہے اور جیسا کہ اس نے اور محمد بخش جعفر زٹلی اور ابوالحسن تبّتی نے اس اشتہار میں جو ۱۰ نومبر ۱۸۹۷ء کو چھپا ہے میرے ذلیل کرنے میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا تو اے میرے مولا! اگر میں تیری نظر میں ایسا ہی ذلیل ہوں تو مجھ پر تیرہ ماہ کے اندر یعنی ۱۵ دسمبر ۱۸۹۸ء سے جنوری ۱۹۰۰ء تک ذلت کی مار وارد کر اور ان لوگوں کی عزت اور وجاہت ظاہر کر اور اس روز روز کے جھگڑے کا فیصلہ فرما۔

لیکن اگر اے میرے آقا میرے مولا! میرے منعم! میری ان نعمتوں کے دینے والے جو تو جانتا ہے اور میں جانتا ہوں، تیری جناب میں میری کچھ عزت ہے تو میں عاجزی سے دعا کرتا ہوں کہ ان تیرہ مہینوں میں جو ۱۵ دسمبر ۱۸۹۸ء سے جنوری ۱۹۰۰ء تک شمار کیے جائیں گے، شیخ محمد حسین اور جعفر زٹلی اور تبّتی مذکور کو جنھوں نے میرے ذلیل کرنے کے لیے یہ اشتہار لکھا ہے، ذلت کی مار سے دنیا میں رسوا کر۔ غرض اگر یہ لوگ تیری نظر میں سچے اور متقی اور پرہیزگار اور میں کذاب اور مفتری ہوں تو مجھے ان تیرہ مہینوں میں ذلت کی مار سے تباہ کر اور اگر تیری جناب میں مجھے وجاہت اور عزت ہے تو میرے لیے یہ نشان ظاہر فرما کہ ان تینوں کو ذلیل اور رسوا اور ضربت علیھم الذلۃ کا مصداق کر، آمین ثم آمین۔

یہ دعا تھی جو میں نے کی۔ اس کے جواب میں الہام ہوا کہ میں ظالم کو ذلیل اور رسوا کروں گا اور وہ اپنے ہاتھ کاٹے گا۔ (۱) یہ خدا تعالیٰ کا فیصلہ ہے جس کا ماحصل یہی ہے کہ ان دونوں فریق میں سے جن کا ذکر اس اشتہار میں ہے، یعنی یہ خاکسار (مرزا) ایک طرف اور شیخ محمد حسین اور جعفر زٹلی اور مولوی ابوالحسن تبّتی دوسری طرف خدا کے حکم کے نیچے ہیں۔ ان میں سے جو کاذب ہے وہ ذلیل ہوگا۔ یہ فیصلہ چوں کہ الہام کی بنا پر ہے، اس لیے حق کے طالبوں کے لیے ایک کھلا کھلا نشان ہو کہ ہدایت کی راہ ان پر کھولے گا۔'' [اشتہار ۲۱ نومبر ۱۸۹۸ء]

(۱)......مرزا صاحب اس مقام پر حاشیے میں لکھتے ہیں کہ ''ہاتھ کاٹے گا'' سے مراد یہ ہے کہ جن ہاتھوں سے ظالم نے جو حق پر نہیں ہے ناجائز تحریر کا کام لیا وہ ہاتھ اس کی حسرت کا موجب ہوں گے۔ وہ افسوس کرے گا کہ کیوں یہ ہاتھ ایسے کام پر چلے۔''

یہ عبارت جس زور وشور سے لکھی گئی ہے اس سے اس عذاب کی خوفنا کی کا اندازہ کیا جاسکتا ہے، جو فریقین میں سے جھوٹے پر نازل ہونے والا تھا۔مگر اس عبارت یا پیشین گوئی کا حشر یہ ہوا کہ جن دنوں یہ بازی شروع ہوئی تھی، لیکھرام کے قتل پر کوئی لمبا عرصہ نہیں گزرا تھا، علاوہ ازیں متعدد ذرائع سے مولانا بٹالوی رحمہ اللہ کو پنڈت لیکھرام جیسے نتائج کی دھمکیاں بھی دی گئی تھیں۔

[دیکھئے چودھویں صدی کا مسیح، ص:۳۷۵، ۳۷۶]

اس لیے جب مرزا صاحب کی یہ حتمی پیشین گوئی شائع ہوئی تو مولانا بٹالوی رحمہ اللہ نے بعض افسروں سے تذکرہ کیا کہ میرے متعلق مرزا نے پیشین گوئی کر رکھی ہے۔ایسا نہ ہو کہ مجھے بھی لیکھرام کی طرح قتل کر دیا جائے، اس لیے بطورِ حفاظت خود اختیاری مجھے ہتھیار ملنے چاہئیں۔اس پر مرزا جی کی طلبی ہوئی کہ کیوں نہ ان سے حفظ امن کی ضمانت لی جائے۔مقدمہ بڑے زور وشور سے چلا۔مرزا صاحب نے بعض الٹی سیدھی باتوں سے مجسٹریٹ کو مطمئن کرنے کی کوشش کی کہ حفظ امن کی ضمانت کی ضرورت نہیں لیکن اس نے ایک نہ سنی اور مرزا صاحب سے حسب ذیل اقرار نامہ پر دستخط لیے:

(۱)......''میں (مرزا) ایسی پیشین گوئی شائع کرنے سے پرہیز کروں گا جس کے یہ معنی ہوں یا ایسے معنی خیال کیے جاسکیں کہ کسی شخص کو (یعنی مسلمان ہوخواہ ہندو ہو یا عیسائی وغیرہ) ذلت پہنچے گی یا وہ موردِ عتابِ الٰہی ہوگا۔''

(۲)......''میں خدا کے پاس ایسی اپیل (فریاد و درخواست) کرنے سے بھی اجتناب کروں گا کہ وہ کسی شخص کو (یعنی مسلمان ہو یا ہندو یا عیسائی وغیرہ) ذلیل کرنے سے یا ایسے نشان ظاہر کرنے سے کہ وہ موردِ عتابِ الٰہی ہے یہ ظاہر کرے کہ مذہبی مباحثہ میں کون سچا اور کون جھوٹا ہے۔''

(۳)......''میں کسی چیز کو الہام جتا کر شائع کرنے سے مجتنب رہوں گا جس کا یہ منشا ہو یا ایسا منشا رکھنے کی معقول وجہ رکھتا ہو کہ فلاں شخص (یعنی مسلمان ہو، خواہ ہندو ہو یا عیسائی) ذلت اٹھائے گا یا موردِ عتابِ الٰہی ہوگا۔''

(۴)......''میں اس امر سے بھی باز رہوں گا کہ مولوی ابوسعید محمد حسین یا ان کے کسی دوست یا پیرو کے ساتھ مباحثہ کرنے میں دشنام آمیز فقرہ یا دل آزار لفظ استعمال کروں، یا کوئی ایسی تحریر یا تصویر شائع کروں جس سے ان کو درد پہنچے، میں اقرار کرتا ہوں کہ ان کی ذات کی نسبت یا ان کے کسی دوست یا پیرو کی نسبت کوئی لفظ مثل دجال، کافر، کاذب، بطالوی نہیں لکھوں گا۔میں ان کی پرائیویٹ زندگی یا ان کے خاندانی تعلقات کی نسبت کچھ شائع نہیں کروں گا، جس سے ان کو تکلیف پہنچنے کا عقلاً احتمال ہو۔''

(۵)......''میں اس بات سے بھی پرہیز کروں گا کہ مولوی ابوسعید محمد حسین یا ان کے کسی دوست یا پیرو کو اس امر کے مقابلہ کے لیے بلاؤں کہ اسے خدا کے پاس مباہلہ کی درخواست کریں تاکہ وہ ظاہر کرے کہ فلاں مباحثہ میں کون سچا اور کون جھوٹا ہے نہ میں ان کو یا ان کے کسی دوست یا پیرو کو کسی شخص کی نسبت کوئی پیشین گوئی کرنے کے لیے بلاؤں گا۔''

(۶)......''جہاں تک میرے احاطۂ طاقت میں ہے تمام اشخاص کو جن پر میرا کچھ اثر یا اختیار ہے ترغیب دوں گا کہ وہ بھی بجائے خود اسی طریق پر عمل کریں جس طریق پر کاربند ہونے کا میں نے دفعہ ۱، ۲، ۳، ۴، ۵، ۶، میں اقرار کیا ہے۔'' [دیکھئے الہامات مرزا، ص:۸۴، ۸۵ طبع ششم اور مباہلہ پاکٹ بک:۱۳۲، ۱۳۳، ۱۳۴]

مرزا صاحب کی طرف سے شائع شدہ وہ اشتہار اور یہ اقرار نامہ دیکھئے اور سوچئے کہ کہاں وہ شورا شوری اور کہا یہ بے نمکی، کہاں وہ دعوائے نبوت ورسالت اور کہاں یہ ذلت ورسوائی کہ ''کوچہ رقیب میں بھی سر کے بل جانا پڑا۔''

پھر مرزا صاحب کی ذلت ورسوائی پر مہر تصدیق اس فقرے نے ثبت کی جسے اقرار نامے کی منظوری کی بنیاد پر ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ نے بصورت آرڈر جاری کیا تھا۔اس نے لکھا تھا کہ

''ان اقرار نامہ جات کی نظر سے مناسب ہے کہ کارروائی حال

مسدود کی جائے۔لہٰذا ہم مرزا قادیانی کو رہا کرتے ہیں۔‘‘

[چودھویں صدی کا مسیح،ص:۴۶۲]

مرزا صاحب نے مولانا بٹالوی رحمہ اللہ اور ان کے رفقاء پر ذلت ورسوائی کے نزول کے لیے جو تیرہ ماہ کی مدت مقرر کی تھی اس مدت کو شروع ہوئے ابھی ڈھائی ماہ بھی نہیں گزرے تھے کہ خود مرزا صاحب پر ذلت کی یہ مار پڑگئی جو خود ان کے اپنے الہام اور ان کی اپنی تشریح وتجویز کے مطابق ان کے ظالم وباطل ہونے کی روشن دلیل ہے۔

عدالت کے اس فیصلے سے مرزا صاحب کے دل ودماغ پر حکومت کا خوف اس قدر چھا گیا کہ اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہوئے ”رَبِّ اِنِّیْ مَغْلُوْبٌ“ (اے میرے پروردگار! یقیناً میں مغلوب ہوگیا ہوں) تو کہا لیکن اس کے بعد متصل جملہ ”فَانْتَصِرْ“ (تو انتقام لے) نہ کہہ سکے کہ کہیں حکومت کے ساتھ کیے ہوئے عہد کی خلاف ورزی نہ ہوجائے۔ درج ذیل عبارت سے مرزا صاحب کی اس بے بسی کا مشاہدہ کیا جاسکتا ہے۔

’’مجھے بارہا خدائے تعالیٰ مخاطب کرکے فرماچکا ہے کہ جب تو دعا کرے تو میں تیری سنوں گا۔سو میں نوح نبی کی طرح دونوں ہاتھ پھیلاتا ہوں اور کہتا ہوں ”رَبِّ اِنِّیْ مَغْلُوْبٌ“ مگر بغیر ”فَانْتَصِرْ“ کے میں اس وقت کسی دوسرے کو مقابلہ کے لیے نہیں بلاتا اور نہ کسی شخص کے ظلم اور جور کا جناب الٰہی میں اپیل کرتا ہوں۔‘‘

[اشتہار ۵ نومبر ۱۸۹۹ء از مرزا قادیانی بحوالہ الہاماتِ مرزا،ص:۸۵]

ادھر مرزا صاحب کی ذلت وبے بسی کا یہ عالم ہے، ادھر مولانا بٹالوی رحمہ اللہ کو اس عرصے میں اللہ تعالیٰ نے دینی اور دنیوی لحاظ سے کئی اعزازات سے نوازا۔ جماعت کے بعض سربرآوردہ باہم ناراض بزرگوں کے مابین صلح کرانے کی سعادت عطا ہوئی اور اسی طرح زمین کا ایک بہت بڑا رقبہ عطیہ کے طور پر حاصل ہوا۔

باقی رہے حضرت بٹالوی رحمہ اللہ کے دونوں رفقاء تو وہ نہ صرف یہ کہ ہر طرح سلامت رہے بلکہ مرزا صاحب کے برعکس ان کے زبان وقلم کو مکمل آزادی حاصل رہی اور سب سے بڑھ کر یہ کہ خود مرزا صاحب نے لکھا تھا کہ ’’ان (دونوں) کی عزت وذلت دونوں طفیلی ہیں۔‘‘ [اشتہارِ مرزا، ۱۷ دسمبر ۱۸۹۹ء]

حضرت مولانا بٹالوی رحمہ اللہ کی ردّ قادیانیت کے سلسلے میں خدمات کا استقصاء کرنے کے لیے تو ایک ضخیم کتاب کی ضرورت ہے، تاہم اس مختصر سی روداد سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ آپ رحمہ اللہ کا کردار اس سلسلے میں کس قدر واضح، ایمان افروز، تابناک اور قائدانہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مرزا صاحب ان کو اپنا سب سے بڑا دشمن گردانتے تھے۔ چناں چہ مرزا صاحب کی تصانیف میں مولانا بٹالوی رحمہ اللہ کا ’’ذکرِ خیر‘‘ جابجا بکھرا نظر آتا ہے۔ [ملخص از: قادیانیت اپنے آئینہ میں]

(۶)......حضرت مولانا اسماعیل علی گڑھی رحمہ اللہ:

مولانا اسماعیل علی گڑھی رحمہ اللہ (ولادت ۱۲۶۳ھ وفات ۱۳۱۱ھ) ایک بلند پایہ عالم دین کے فرزند ارجمند اور خود بھی بہت بڑے اہل حدیث عالم تھے۔مولانا عبدالحی حسنی رحمہ اللہ ان کے متعلق لکھتے ہیں:

’’وہ کسی امام معین کی تقلید کیے بغیر قرآن وحدیث کی نصوص پر عمل کیا کرتے تھے اور اپنے اس اندازِ اتباع رسول ﷺ کے متعلق یہ شعر پڑھا کرتے تھے ؎

اِنِّیْ اُحِبُّ الْحُسْنَ حَیْثُ وَجَدْتُّہٗ
لِلْحَقِّ فِیْ وَجْہِ الْمِلَاحِ مَوَاقِعُ

آپ نے کئی ایک گراں قدر تصانیف یادگار چھوڑیں جن میں سے ایک مشہور ترین کتاب ’’القول الصریح فی تکذیب مثیل المسیح‘‘ ہے۔ [نزہۃ الخواطر، ج:۸،ص:۵۴،۵۵]

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ رحمہ اللہ فتنۂ قادیانیت کے استیصال میں خاصے فعال اور سرگرم رہے۔مولانا صفی الرحمٰن مبارکپوری رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ

’’۱۸۸۹ء میں مرزا صاحب علی گڑھ گئے تھے۔ یہ وہ دور تھا جب آپ لوگوں سے بحیثیت مجددِ وقت اور مامور من اللہ بیعت لیتے پھر رہے تھے۔آپ نے وہاں بھی اپنا سکہ جمانے اور بیعت لینے کی کوشش کی، لیکن وہاں ایک بزرگ مولوی محمد اسماعیل علی گڑھی ہوا کرتے تھے

جو ایک بلند پایہ اہل حدیث عالم تھے۔ انھوں نے مرزا صاحب کے الہام کی قلعی اس طرح کھولی کہ بیچارے مرزا صاحب کو بہت زچ ہو کر واپس ہونا پڑا۔'' [قادیانیت اپنے آئینہ میں، ص:۲۴۶]

مرزا صاحب کے دورۂ علی گڑھ کے دوران وہاں کے مسلمانوں نے اپنا اشتیاق ظاہر کیا کہ مرزا صاحب ''صداقت اسلام'' کے موضوع پر تقریر کریں۔ مرزا صاحب نے اسے منظور کرلیا، مگر جب اس کا عام اعلان کردیا گیا اور اس کی تیاری مکمل ہوگئی تو مرزا صاحب فرمانے لگے کہ مجھے خدا تعالیٰ کی طرف سے الہام ہوا ہے کہ میں تقریر نہ کروں۔ لوگوں نے شدید اصرار کیا مگر مرزا صاحب نہ مانے۔ اسی اثناء میں مولانا اسماعیل کے ایک ملاقاتی ڈاکٹر جمال الدین کے منہ سے نکل گیا کہ مرزا صاحب علمی قابلیت سے محروم ہیں اور اپنی عجز بیانی اور خوف امتحانی کی وجہ سے تقریر سے انکار کردیا ہے۔ یہ سن کر مرزا صاحب مارِدُم بریدہ کی طرح پیچ وتاب کھانے لگے اور اس کا غصہ مولانا اسماعیل کو ہدفِ دشنام بنا کر اتارا۔ اس کے تھوڑے دنوں بعد جب مرزا صاحب نے رسالہ ''فتح اسلام'' تالیف کیا تو اس میں مولوی صاحب موصوف کے خلاف خوب زہر اُگلا۔ انھیں خشک ملا، جاہل اور کمینہ کہہ کر دل کی بھڑاس نکالی۔

[تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو رئیس قادیان، ص:۱۶۹،۱۷۰]

(۷)......استاذِ پنجاب حافظ عبدالمنان وزیر آبادی رحمہ اللہ:

حضرت حافظ عبدالمنان وزیر آبادی رحمہ اللہ (ولادت ۱۲۶۷ھ وفات ۱۳۳۴ھ) جو اپنی تدریسی خدمات کی وجہ سے ''استاذِ پنجاب'' کے لقب سے مشہور ہیں، انتہائی زاہد وعابد عالم دین اور ایک بلند پایہ محدث تھے۔ آپ بھی حضرت میاں صاحب رحمہ اللہ کے تلامذہ میں سے تھے۔ اگرچہ ظاہری آنکھوں سے نابینا تھے، مگر ان کی باطنی آنکھیں بڑی بینا تھیں۔ یہی وجہ ہے کہ مرزا صاحب کے ابتدائی دور کی باتوں سے ہی انھوں نے اندازہ لگا لیا تھا کہ یہ شخص کسی دن نبوت کا دعویٰ کرے گا۔ [تاریخ مرزا، ص:۹]

''ان کے شاگرد رشید مولانا ثناء اللہ رحمہ اللہ کی ردّ مرزائیت کے بارے میں ساری سعی وکوشش، یہ مولانا (حافظ) عبدالمنان وزیر آبادی کی روحانی تاثیر تھی کہ جس نے مولانا امرتسری رحمہ اللہ کو عمر بھر چین نہ لینے دیا۔'' [محاسبہ قادیانیت حاشیہ، ص:۲۶۷]

(۸)......حضرت مولانا امام عبدالجبار غزنوی رحمہ اللہ:

حضرت الامام عبدالجبار غزنوی رحمہ اللہ (ولادت ۱۲۶۸ھ وفات ۱۳۳۱ھ) مولانا عبداللہ غزنوی رحمہ اللہ کے فرزند ارجمند اور زہد وتقویٰ اور صلاح واصلاح میں ان کے صحیح جانشین تھے۔ حضرت میاں صاحب سے بھی شرفِ تلمذ حاصل تھا۔ قرآن وحدیث کی خدمت میں مشغول اور اللہ کے ذکر وعبادت میں منہمک رہتے تھے۔

آپ رحمہ اللہ مرزا غلام احمد قادیانی کی زندگی میں اس کے خلاف منعقد ہونے والے جلسوں اور مناظروں میں شرکت فرما کر مرزائیت کے خلاف تقریریں ارشاد فرماتے رہے ہیں۔ مرزا صاحب کی کتابوں میں ان کے چوٹی کے مخالفین کی فہرست میں حضرت الامام رحمہ اللہ کا نام بھی ملتا ہے۔

جن دنوں مرزا صاحب اور پیر مہر علی شاہ صاحب کے مابین مرزا صاحب کی نبوت ومسیحیت کے بارے میں گفتگو اور تصنیف وتالیف کا بازار گرم تھا، ان دنوں مرزا صاحب نے پیر صاحب کو بذریعہ اشتہار چیلنج دیا کہ میرے سامنے سات گھنٹہ زانو بزانو بیٹھ کر چالیس آیات قرآن کی عربی میں تفسیر لکھیں جو بتقطیع کلاں بیس ورق سے کم نہ ہو، جس کی تفسیر عمدہ ہوگی وہ مؤید من اللہ سمجھا جائے گا۔

اس دعوت کے مطابق پیر صاحب لاہور پہنچ گئے۔ مگر مرزا صاحب نہ خود آئے اور نہ کوئی نمائندہ بھیجا، بلکہ ایک اشتہار اس عنوان کا طبع کرا کے لاہور کے در ودیوار پر چسپاں کروا دیا کہ پیر صاحب گولڑہ مقابلے سے بھاگ گئے۔

چوں کہ اس سلسلے میں پیر صاحب کے علاوہ دیگر مشہور علمائے کرام بھی تشریف لائے ہوئے تھے۔ اس لیے بالاتفاق فیصلہ ہوا کہ ایک جلسہ منعقد کیا جائے جس میں علمائے کرام مرزا صاحب کی نبوت ومسیحیت کی حقیقت سے پردہ اٹھائیں اور عوام کو ان کی تلبیس ودجالیت

سے آگاہ کریں۔ چناں چہ مرزا صاحب کے خلاف منعقد ہونے والے اس تاریخی جلسہ میں حضرت الامام مولانا عبدالجبار غزنوی رحمہ اللہ بھی شریک تھے۔ [تفصیل کے لیے ملاحظہ تاریخ مرزا، ص:۴۵ اور محاسبہ قادیانیت، ص:۱۸۹،۲۰۳]

(۹)......حضرت مولانا قاضی عبدالاحد خانپوری رحمہ اللہ:

مولانا قاضی عبدالاحد خانپوری رحمہ اللہ (ولادت ۱۲۶۸ھ وفات ۱۳۴۷ھ) نے مولانا عبداللہ غزنوی رحمہ اللہ سے علمی اور روحانی فیض حاصل کیا، حدیث کی سند حضرت میاں صاحب رحمہ اللہ سے حاصل کی۔ تفسیر، حدیث اور فقہ پر بڑی گہری نظر تھی۔ شرک وبدعات وتقلید کے فتنوں کے ساتھ ساتھ فتنۂ قادیانیت کے خلاف بھی آپ نے بھرپور کام کیا۔ مرزا صاحب کی کتابوں میں ان کے شدید مخالفین کی فہرست میں حضرت قاضی عبدالاحد خانپوری رحمہ اللہ کا نام بھی نمایاں طور پر دیکھا جاسکتا ہے۔

ایک مرتبہ حکیم نور الدین خلیفہ مرزا صاحب قادیانی، راولپنڈی آئے۔ قاضی صاحب ان کی ملاقات کے لیے تشریف لے گئے۔ دوران گفتگو حکیم صاحب نے کہا: بھائی صاحب! آپ نے مرزا صاحب کی تکفیر کیوں کی؟ کیا آپ کو آسمان سے آواز آئی یا زمین سے کہ مرزا صاحب کافر ہیں؟ قاضی صاحب رحمہ اللہ نے فرمایا: دونوں طرف سے۔ حکیم صاحب بولے: وہ کیسے؟ قاضی صاحب نے جواب دیا: آسمان کی طرف سے آوازیں نہیں آیا کرتیں لیکن جو احکام بذریعہ وحی آسمان کی طرف سے آئے ہیں، ان کی رو سے مرزا صاحب کافر ہیں، یہ تو ہوئی آسمانی آواز۔ باقی رہی زمین تو آپ دیکھ ہی رہے ہیں کہ کل دنیا انھیں کافر کہتی ہے۔ یہ ہوئی زمین کی آواز۔

قاضی صاحب کا یہ مسکت جواب سن کر حکیم صاحب خاموش ہوگئے اور جاتے جاتے ہوئے اپنی جماعت والوں کو تاکیداً ہدایت کر گئے کہ اس شخص کو کبھی نہ چھیڑنا، یہ میری نصیحت یاد رکھنا، ورنہ وہ تمھیں مرتے دم تک نہ چھوڑے گا۔

ایک دن قادیانیوں نے حکیم نورالدین کی نصیحت کو بالائے طاق رکھتے ہوئے راولپنڈی میں ایک اشتہار شائع کردیا۔ لوگ وہ اشتہار لے کر قاضی صاحب رحمہ اللہ کے پاس آئے اور جواب لکھنے کی درخواست کی۔ آپ نے فرمایا: یہ کیسے بلوں سے نکل آئے؟ یعنی اتنا عرصہ حسب نصیحت حکیم نورالدین خاموش تھے۔ اب انھیں یہ جرأت کس نے دلائی؟ چناں چہ آپ نے اس کا جواب "**كلما خرجت العقرب فالنعل حاضرة**" کے نام سے لکھا، جس کے معنی ہیں "جب بھی بچھو اپنی بل سے باہر نکلے تو جوتا حاضر ہے۔" پنڈی والے مرزائی تو کیا قادیان والے بھی اس کا جواب نہ لکھ سکے۔

اس کے علاوہ بھی آپ نے قادیانیت کے ردّ میں بعض رسائل اور کتابیں تصنیف فرمائی ہیں:

① ......"السیف المسلول فی نحر شاتم الرسول ﷺ" یہ رسالہ ۴۰ صفحات پر مشتمل ہے اور راولپنڈی سے طبع کیا گیا تھا۔

② ......"اظہارِ مخادعت مسیلمہ قادیانی" یہ رسالہ ۳۲ صفحات پر مشتمل ہے اور مرزائیوں کے اشتہار "**الصلح خير**" کے جواب میں راولپنڈی سے شائع کیا گیا تھا۔

③ ......"**اغاثة الملهوف المكروب المسجون في مصائد القادياني المجنون**" یہ رسالہ ایک مرزائی تحصیلدار کے رسالے کے جواب میں لکھا گیا تھا۔

مرزائیوں سے آپ کا مباہلہ: ردّ قادیانیت کے سلسلے میں آپ اس قدر متحرک اور فعال تھے کہ ایک دفعہ مباہلے کا مرحلہ بھی آ گیا۔ چناں چہ بمقام "زیرہ" ایک مرزائی مولوی محمد علی (یا علی محمد) سے آپ کا مباہلہ ہوا۔ جس کے نتیجے میں مولوی محمد علی اپنے ساتھیوں سمیت آپ کی زندگی میں ہی ہلاک ہوگیا۔ آپ کو اللہ تعالیٰ نے اس میں سرخرو کیا اور فتح مبین عطا فرمائی۔ مذکورہ تفصیلات کے لیے ملاحظہ ہو۔

[تذکرۂ علمائے خانپور، ص:۶۶، ۶۷، ۱۳۶، ۱۳۷]

(۱۰)......حضرت مولانا عبدالحق غزنوی رحمہ اللہ:

مولانا عبدالحق غزنوی رحمہ اللہ (وفات ۱۳۳۵ھ ۱۹۱۷ء) ایک بلند پایہ صوفی المشرب اہل حدیث عالم تھے۔ اپنے زہد وتقویٰ، پاکیزگیِ نفس

اورعبادت وسادگی کے سبب صوفی عبدالحق کے لقب سے خاص وعام میں معروف تھے۔مولانا عبداللہ غزنوی رحمہ اللہ کے ساتھ غزنی سے ترکِ وطن کرکے آئے تھے۔اسلام کے دفاع اور نئے نئے فتنوں سے اس کی حفاظت کا شدید جذبہ رکھتے تھے۔مرزا صاحب کے بے سروپا دعاوی اور دجل وفریب پر مبنی خیالات کے ظہور کے ساتھ ہی آپ نے اشتہارات وبیانات کے ذریعے ان کی حقیقت سے پردہ اٹھانا شروع کردیا تھا۔فریقین میں مقابلہ ہوتا رہا، بات بڑھتے بڑھتے مباہلے تک جاپہنچی۔مباہلے کے لیے جوطریق کار مقرر ہوا وہ مولانا عبدالحق غزنوی کے الفاظ میں یہ تھا:

''مقام عید گاہ (امرتسر) میں مباہلہ اس طریق پر بدیں الفاظ ہوگا:

''میں یعنی عبدالحق تین بار بآواز بلند کہوں گا: یا اللہ! میں مرزا کو ضال، مضل، ملحد، دجال، کذاب، مفتری، محرفِ کلام اللہ واحادیث رسول اللہ ﷺ سمجھتا ہوں۔اگر میں اس بات میں جھوٹا ہوں تو مجھ پر وہ لعنت کر جوکسی کافر پر تونے آج تک نہ کی ہو۔مرزا تین بار بآواز بلند کہے یا اللہ اگر میں ضال ومضل وملحد ودجال وکذاب ومفتری ومحرف کتاب اللہ واحادیث رسول ﷺ ہوں تو مجھ پر وہ لعنت کر جوکسی کافر پر آج تک تونے نہ کی ہو۔''

''بعدہ روبقبلہ ہوکر دیر تک ابتہال اور عاجزی کریں گے کہ یا اللہ جھوٹے کو شرمندہ اور رسوا کر اور سب حاضرین مجلس آمین کہیں گے۔'' [تاریخ مرزا، ص:۴۷، مطبوعہ المکتبۃ السّلفیہ لاہور، بحوالہ اشتہار مولانا عبدالحق غزنوی، ۸ ذی قعدہ ۱۳۱۰ھ]

مذکورہ اشتہار کے مطابق ۱۰ ذی قعدہ ۱۳۱۰ھ (جون ۱۸۹۳ء) کو عیدگاہ امرتسر میں مباہلہ ہوا اور فریقین امن وامان سے واپس آگئے۔

اس مباہلے کے ایک سال دو ماہ بعد مرزا صاحب کی آسمانی منکوحہ محمدی بیگم کے شوہر کے انتقال کے متعلق پیشین گوئی کی آخری تاریخ آگئی، لیکن اس کی موت واقع نہ ہوئی، پھر نصف ماہ بعد ڈپٹی عبداللہ آتھم کی بھی موت کی آخری تاریخ مرزا صاحب کی پیشین گوئی کے مطابق آگئی، لیکن وہ بھی نہ مرا۔ان دونوں پیشین گوئیوں کے جھوٹا اور خلافِ واقعہ ہوجانے کی وجہ سے مرزا صاحب کوکس قدر پشیمانی اور ذلت ورسوائی کا سامنا کرنا پڑا ہوگا اس کا صحیح اندازہ کرنا ہوتو اس موضوع پر لکھی گئی کتب کا مطالعہ کرنا چاہیے۔تاہم مرزا صاحب کواس کے ساتھ ساتھ جوسب سے بڑی ذلت ورسوائی حاصل ہوئی وہ یہ تھی کہ مباہلہ کرنے والے مدمقابل (عبدالحق غزنوی رحمہ اللہ) کی زندگی میں ہی ان کا انتقال ہوگیا اور پھر اس پر مستزاد یہ کہ انتقال کے بعد لاہور کی احمدیہ بلڈنگس سے ان کی لاش کو قادیان لانے کے لیے جب لاہور ریلوے اسٹیشن کی طرف لے جایا جارہا تھا تو اس پر اینٹ، پتھر، گندگی اور پاخانوں کی ایسی بارش ہوئی کہ تاریخ میں کسی بدترین کافر کے لیے بھی ایسی ذلت ورسوائی کا سراغ نہیں ملتا۔اس کے برعکس صوفی عبدالحق غزنوی رحمہ اللہ مرزا صاحب کی وفات کے بعد پورے نو برس تک زندہ رہے۔آپ کا انتقال ۲۳ رجب ۱۳۳۵ھ (۱۶ مئی ۱۹۱۷ء) کو ہوا اور نہایت اعزاز واکرام کے ساتھ دفن کیے گئے۔

یہاں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ مولانا عبدالحق غزنوی رحمہ اللہ پوری امت میں تنہا وہ شخص ہیں جن کے ساتھ مرزا صاحب کا مباہلہ منعقد ہوا۔ان کے علاوہ متعدد علماء کے ساتھ مباہلہ کی بات چیت اور اشتہار بازی تو ہوئی مگر عملاً کسی کے ساتھ بھی مباہلہ منعقد نہیں ہوا۔گویا مرزا غلام احمد قادیانی کے ساتھ مباہلے اور پھر اس میں سرخروئی کی سعادت پوری امت میں صرف ایک اہل حدیث عالم دین ہی کو حاصل ہوئی۔

(۱۱)......حضرت مولانا احمد اللہ امرتسری رحمہ اللہ:

مولانا احمد اللہ امرتسری رحمہ اللہ مشہور علمائے اہل حدیث میں سے ہیں۔مولانا ثناء اللہ امرتسری رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ ''میں ابتدائی کتب فارسی پڑھ کر مولانا مولوی احمد اللہ صاحب مرحوم رئیس امرتسر کے پاس پہنچا۔دستکاری (رفوگری) کا کام بھی کرتا رہا اور مرحوم سے سبق بھی پڑھا کرتا۔''شرح جامی'' اور ''قطبی'' تک مولوی صاحب مرحوم سے پڑھیں۔'' [خودنوشت سوانح حیات، ص:۵۷]

مولانا احمد اللہ صاحب رحمہ اللہ بھی ان اہل بصیرت علماء میں سے ہیں جنھوں نے مرزا صاحب کی ابتدائی تحریروں سے ہی ان کے آئندہ عزائم کو بھانپ لیا تھا۔ چناں چہ مرزا صاحب خود لکھتے ہیں:

''......شہاب الدین نامی ایک شخص ...... نے آ کر بیان کیا کہ مولوی غلام علی صاحب امرتسری اور مولوی احمد اللہ صاحب امرتسری اور مولوی عبدالعزیز صاحب اور بعض دوسرے صاحبان اس قسم کے الہام سے جو رسولوں کی وحی کے مشابہ ہے باصرار تمام انکار کررہے ہیں۔ بلکہ ان میں سے بعض مولوی صاحبان، مجانین (پاگلوں) کے خیالات سے اس کو منسوب کرتے ہیں۔'' [براہیم احمدیہ، ج:۴، ص:۵۴۴،۴۵]

اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ مولانا احمد اللہ صاحب رحمہ اللہ ان علمائے کبار میں سے ہیں جنھوں نے مرزا کے فتنۂ دجالیت کے پخت وپز کے مرحلے میں ہی اس کی مخالفت شروع کردی تھی۔

(۱۲)......حضرت مولانا ابوالحسن تبّتی رحمہ اللہ:

مولانا ابوالحسن تبّتی رحمہ اللہ بڑے سرگرم مبلغ اور مجاہد قسم کے اہل حدیث عالم تھے۔ ان کے نام کے ساتھ ''تبّتی'' کی نسبت جو مشہور ہے، اس کے متعلق یہ وضاحت ضروری معلوم ہوتی ہے کہ یہ نسبت اس ''تبت'' کی طرف نہیں ہے، جو اس وقت عوامی جمہوریہ چین کا ایک صوبہ ہے، بلکہ ''تبت خورد'' کی طرف ہے جو آزاد کشمیر سے متصل علاقہ بلتستان کا ایک ٹکڑا ہے۔ آپ نے اس دور افتادہ اور پس ماندہ علاقے میں توحید وسنت اور مسلک اہل حدیث کے پھیلانے میں بڑی نمایاں خدمات انجام دی ہیں۔

ردّ قادیانیت میں بھی آپ بہت زیادہ سرگرم تھے۔ بلکہ اس سلسلے میں مولانا بٹالوی رحمہ اللہ کے قریب ترین رفیق کار تھے۔ مرزا صاحب کی تصانیف کا مطالعہ کرنے والا جانتا ہے کہ جس طرح وہ اپنے شدید ترین مخالفین کو گالیوں اور بد دعاؤں سے نوازتے رہے ہیں، اسی طرح مولانا تبّتی رحمہ اللہ پر بھی ان کی طرف سے ان ''نوازشات'' کی بارش ہوتی رہی ہے۔

پیچھے ذکر کیا جاچکا ہے کہ مرزا صاحب نے مولانا بٹالوی رحمہ اللہ کے متعلق جو پیش گوئی کی تھی اس میں مولانا ابوالحسن تبّتی رحمہ اللہ بھی داخل تھے اور مرزا صاحب نے اس سلسلے میں حضرت بٹالوی رحمہ اللہ کے ساتھ مباہلے کے لیے جو اشتہار اپنے مریدوں کی طرف سے شائع کرایا تھا، اس کا جواب بھی مولانا ابوالحسن تبّتی رحمہ اللہ کی طرف سے ہی لکھا گیا تھا۔

(۱۳)......منشی الٰہی بخش لاہوری رحمہ اللہ:

موصوف ایک جید اہل حدیث عالم دین تھے، مولانا بٹالوی رحمہ اللہ کے حلقہ بگوشوں میں سے تھے۔ اپنے ذاتی شرف اور علمی وجاہت کے سبب لاہور جیسے مرکزی مقام میں بڑی اہم اور بااثر شخصیت وحیثیت کے مالک تھے۔ حساب نویسی کے سبب منشی کہلاتے تھے۔ مرزا صاحب کی تردید میں منشی صاحب موصوف کا قدم بھی بہت آگے تھا۔ مرزا صاحب ان سے بھی گھبراتے تھے۔ مرزا صاحب کی کتابوں کا مطالعہ کرتے ہوئے محسوس ہوتا ہے کہ وہ منشی صاحب سے کس قدر خوفزدہ اور پریشان تھے۔

۱۸۹۸ء میں مرزا صاحب نے ''ضرورۃ الامام'' کے نام سے ایک رسالہ شائع کیا تو منشی الٰہی بخش صاحب نے بڑی گہرائی اور بسط کے ساتھ اس کا تنقیدی جائزہ لیا۔ موصوف نے اپنی کتاب کا نام ''عصائے موسیٰ'' رکھا۔ یہ کتاب متوسط سائز کے چارسوساٹھ صفحات پر پھیلی ہوئی ہے۔ جس میں مرزا صاحب اور ان کے پیش کردہ دعاوی وعقائد، نیز ان کے مقرب ترین متوسلین کا ایسی عمدگی کے ساتھ پوسٹ مارٹم کیا گیا ہے کہ قادیانی مذہب اپنے بانیوں کے حقیقی خط وخال سمیت منظر عام پر آگیا ہے اور غالباً یہی وجہ تھی کہ منشی صاحب کی ہیبت مرزا صاحب پر قابوس بن کر سوار رہتی تھی اور وہ مولانا بٹالوی رحمہ اللہ ومولانا عبدالحق غزنوی رحمہ اللہ وغیرہ کی طرح منشی صاحب کو بھی اپنی آخری تصنیفات تک میں نہ بھولے تھے۔ [قادیانیت اپنے آئینہ میں، تالیف: مولانا صفی الرحمٰن الاعظمی مبارکپوری، ص:۲۵۹]

(۱۴)......حضرت مولانا عبدالستار دہلوی رحمہ اللہ:

مولانا عبدالستار دہلویؒ (وفات ۱۳۸۶ھ) مولانا عبدالوہاب

دہلویؒ کے فرزند ارجمند اور ان کے جانشین تھے، علوم حدیث وقرآن میں بہت مہارت رکھتے تھے، اپنی طرز کے بہت مؤثر خطیب وواعظ تھے، لکھنے کا ذوق بھی رکھتے تھے، کئی ایک کتابوں کے مصنف ہیں۔

فتنہ قادیانیت کے خلاف آپ نے بھی خاصا کام کیا ہے۔ اس سلسلے میں آپ تقریری جہاد کے علاوہ تحریری جہاد کا فریضہ بھی سرانجام دیتے رہے ہیں۔ چناں چہ ''حیاتِ مسیح'' کے نام سے آپ نے ایک عمدہ کتاب تصنیف فرمائی جس میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زندگی کو انتہائی مدلل طور پر ثابت فرمایا اور مرزا صاحب کے دعوائے ''وفاتِ مسیح'' کی حقیقت کو طشت ازبام کر کے رکھ دیا۔

(۱۵)......حضرت مولانا سید محمد شریف گھڑیالوی رحمہ اللہ:

مولانا سید محمد شریف گھڑیالوی رحمہ اللہ (وفات ۱۳۶۳ھ) انتہائی عابد ومتقی اور پاکباز علمائے اہل حدیث میں سے تھے۔ جماعت اہل حدیث کی پہلی تنظیم کے اوّلین امیر ہونے کا شرف آپ ہی کو حاصل ہوا۔

فتنہ قادیانیت کی تردید میں آپ کی خدمات بھی بے شمار ہیں۔ تقریری طور پر بھی آپ اس میدان میں سرگرم رہے ہیں اور عملی طور پر بھی۔ بلکہ ایک مرتبہ تو غیرتِ ایمانی کا مظاہرہ کرتے ہوئے آپ نے مرزا بشیر الدین محمود خلیفہ ثانی قادیانی کو مباہلے کا چیلنج بھی دے ڈالا تھا جسے خلیفہ صاحب شاید اپنی ''خلافت کی مخصوص مصروفیات'' کی وجہ سے قبول نہ کر سکے۔

(۱۶)......حضرت مولانا عبدالرحیم لکھو والے رحمہ اللہ:

مولانا عبدالرحیم لکھو والے مشہور علمائے اہل حدیث میں سے ہیں۔ اہل حدیث کانفرنس دہلی کے مبلغ تھے اور حضرت مولانا ثناء اللہ امرتسری رحمہ اللہ کے تربیت یافتہ بھی تھے۔

فتنہ قادیانیت کے خلاف آپ نے بھی بہت محنت اور جدوجہد کی۔ چناں چہ فیروز پور آپ کی اس سلسلے کی سرگرمیوں کا مرکز تھا، کیوں کہ آپ اسی علاقے کے رہنے والے تھے۔ شورش کاشمیری نے آپ کا نام بھی ان علمائے اہل حدیث میں شمار کیا ہے۔ جو قادیانیت کے تعاقب میں پیش پیش رہتے تھے۔ [ملاحظہ ہو تحریک ختم نبوت، ص:۴۱]

(۱۷)......حضرت مولانا قاضی محمد سلیمان منصور پوری رحمہ اللہ:

حضرت قاضی صاحب منصور پوری رحمہ اللہ (ولادت ۱۲۸۲ھ وفات ۱۳۴۹ھ) کی شخصیت عملی دنیا میں محتاج تعارف نہیں ''رحمۃ للعالمین'' کا مصنف ہونے کی وجہ سے کون اردو دان آپ سے ناواقف ہوسکتا ہے۔ آپ انتہائی پاکیزہ شخصیت کے مالک تھے۔ دین اسلام اور پیغمبر اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ والہانہ لگاؤ رکھتے تھے۔ علم وتحقیق اور زہد وعبادت کو آپ پر فخر تھا۔ اسلام کے علاوہ دیگر مذاہب کی بڑی وسیع وعمیق معلومات رکھتے تھے۔ آپ کی مناظرانہ گرفت بہت مضبوط ہوتی تھی۔ ردّ قادیانیت کے سلسلے میں بھی آپ کی خدمات بڑی نمایاں ہیں۔ ڈاکٹر عبدالحکیم صاحب پٹیالوی رحمہ اللہ جو مرزا قادیانی کے مخلص مرید تھے اور تقریباً بیس ہزار روپیہ تبلیغ قادیانیت پر صرف کر چکے تھے، محض آپ کی مساعی جمیلہ سے تائب ہوئے۔

مرزا صاحب نے جب ''فتح الاسلام'' اور ''توضیح المرام'' نامی رسالوں میں بے سروپا تاویلات کے ذریعے حیات مسیح علیہ السلام کے انکار اور اپنی مسیحیت کے اثبات کی مذموم کوشش کی تو حضرت قاضی صاحب نے ''غایت المرام'' کے نام سے اس کا مفصل، مدلل اور مسکت جواب لکھا۔ اس کتاب کے دو حصے ہیں: حصہ اوّل میں ''توضیح المرام'' اور ''فتح الاسلام'' کے دلائل کا جائزہ لیا گیا ہے اور حصہ دوم میں مرزا صاحب کی تصنیف ''ازالہ اوہام'' کے دلائل وتاویلات کا تیاپانچہ کیا گیا ہے۔ ''غایت المرام'' کے دوسرے حصے کا نام قاضی صاحب رحمہ اللہ نے ''تائید الاسلام'' رکھا تھا۔ ردّ مرزائیت میں قاضی صاحب کی یہ کتاب اس قدر مقبولِ خاص وعام ہوئی کہ چند ہی ماہ میں اس کی تمام جلدیں بازار سے ختم ہوگئیں۔ چناں چہ خلیفہ ہدایت اللہ پنشنر ضلعدار نہر ساکن پٹیالہ لکھتے ہیں کہ

''اما بعد! یہ رسالہ تائید الاسلام مصنفہ جناب فاضل اجل علامہ قاضی حاجی محمد سلیمان صاحب زید مجدہم العالی کا ہے، جو ان کے رسالہ غایت المرام کا دوسرا حصہ ہے۔ یہ دوسرا حصہ علامہ ممدوح نے ۱۸۹۸ء

میں اور پہلا حصہ ۱۸۹۳ء میں تحریر فرمایا تھا۔ دونوں کتابیں اس قدر مقبول ہوئیں کہ شائع ہونے سے چند ماہ بعد ان کی کوئی جلد بازار میں نہ رہی۔ لوگ اب تک ان کتابوں کے نہایت شائق تھے۔ اس لیے اس احقر نے اب ان کتابوں کو مکرر چھپوایا ہے۔

علامہ موصوف کی ہر دو تصنیفات ایسی جامع ہیں کہ ان کے بعد ہر ایک تصنیف میں ان سے مدد لی گئی ہے۔ اور ''عصائے موسیٰ'' کے قابل مصنف نے کشادہ دلی سے اس کا اعتراف بھی کیا ہے۔''

[دیباچہ طبع دوم تائید الاسلام، ص:۹]

قاضی صاحب رحمہ اللہ کی اس تصنیف کی غیر معمولی مقبولیت بے سبب نہ تھی۔ ایک تو یہ اپنے موضوع پر انتہائی مفصل اور مدلل تھی، دوسرے اس کے لکھوانے میں قدرت کا خصوصی ہاتھ تھا۔ چناں چہ

''مرزا محمد حسین سکنہ راہوں کا بیان ہے کہ ۱۸۹۳ء میں قاضی صاحب نے جب مرزا قادیانی کی تردید میں رسالہ ''غایت المرام'' شائع کیا تو کسی نے آپ سے پوچھا کہ آپ نے یہ رسالہ کیوں کر لکھا؟ جواباً فرمایا کہ ایک روز نمازِ جمعہ کے بعد مجھے القاء ہوا کہ مرزا جی کے متعلق ایک کتاب لکھوں، چناں چہ اس کا مضمون بھی مجھے بتا دیا گیا اور یہ بھی کہا گیا کہ اس کا جواب کوئی نہیں دے سکے گا۔ اس کے بعد آپ نے یہ بھی فرمایا کہ لواب میں پھر تحدی سے کہتا ہوں کہ مرزا قادیانی حج نہیں کر سکے گا اور یہی اس کی بطالت کی دلیل ہے۔ چناں چہ غایت المرام (حصہ دوم، ص:۱۱۶) میں بھی یہ اعلان ہوا اور اس کے بعد مرزا قادیانی کئی سال تک زندہ رہا مگر نہ اس رسالہ کا جواب لکھ سکا نہ حج کو جاسکا۔'' [کراماتِ اہل حدیث از مولانا عبدالمجید سوہدروی، ص:۲۶]

''یہ رسالہ جب مولانا عبید اللہ صاحب مصنف ''تحفۃ الہند'' نے دیکھا تو خود بخود فرمایا کہ یہ رسالہ قاضی سلیمان نے نہیں لکھا بلکہ اللہ نے لکھوایا ہے۔ اس لیے اس سے کہہ دینا کہ اس پر نازاں نہ ہوں۔ اس رسالہ کے مطالعہ سے کئی لوگ مرزائیت سے تائب ہو چکے ہیں۔''

[حاشیہ کراماتِ اہل حدیث، ص:۲۶]

مرزا قادیانی کے متعلق حج نہ کر سکنے کے متعلق قاضی صاحب نے جو پیشین گوئی کی تھی تو اس کی بنیاد حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی وہ روایت ہے جسے امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ اور ابن جریر رحمہ اللہ وغیرہ نے بیان کیا ہے اور جس میں آپ کا ارشاد ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام مقامِ روحاء میں آ کر حج و عمرہ کریں گے۔ [تائید الاسلام، ص:۱۱۶]

(۱۸)......فاتح قادیان حضرت مولانا ثناء اللہ امرتسری رحمہ اللہ:

مولانا ثناء اللہ رحمہ اللہ (ولادت ۱۲۸۷ھ وفات ۱۳۶۷ھ) کے نام نامی کو کون نہیں جانتا۔ عرب و عجم میں آپ کا شہرہ تھا۔ تمام عمر اسلام کے دفاع اور اس کی وکالت میں بسر کر دی۔ اس سلسلے میں صحافت، تصنیف و تالیف، تقریر اور مناظرہ غرض ہر محاذ میں پیش پیش رہتے تھے۔ خصوصاً ردّ قادیانیت کے میدان میں تو آپ اپنے ہم عصروں اور پیشروؤں سے بہت آگے نکل گئے تھے۔ اس کا اعتراف تو ان علماء کو بھی تھا جو آپ کے ہم مسلک نہ تھے، جیسا کہ آگے چل کر بیان کیا جائے گا، تاہم ردّ قادیانیت کے سلسلے میں آپ کی خدمات اس قدر وقیع اور وسیع ہیں کہ ان پر کئی کتابیں لکھی جاسکتی ہیں۔ آپ کی ردّ قادیانیت کے سلسلے میں خدمات سے مختصر طور پر متعارف کرانے کے لیے ہم مولانا صفی الرحمٰن مبارکپوری حفظہ اللہ (اب رحمہ اللہ) کی عبارت ذیل میں درج کر رہے ہیں۔ جو ان کی کتاب ''قادیانیت اپنے آئینہ میں'' سے لی گئی ہے۔ مولانا ثناء اللہ رحمہ اللہ کی اس سلسلے میں تفصیلی خدمات سے تعارف کے لیے ملاحظہ ہو اسی مصنف کی بے نظیر کتاب ''فتنہ قادیانیت اور مولانا ثناء اللہ امرتسری رحمہ اللہ'' مولانا صفی الرحمٰن حضرت بٹالوی کو مخالفین قادیانیت کے پہلے اور مولانا ثناء اللہ رحمہ اللہ کو دوسرے قائد و سالار قرار دینے کے بعد لکھتے ہیں:

''مولانا بٹالوی رحمہ اللہ کے علاوہ اس (ردّ قادیانیت کے) میدان کی امامت و قیادت اور سربراہی و سیادت کے لیے قدرت کی طرف سے جس دوسری ہستی کا انتخاب عمل میں آیا وہ شیخ الاسلام مولانا ابوالوفاء ثناء اللہ صاحب امرتسری رحمہ اللہ کی ہستی ہے۔ اس میں شبہ نہیں کہ مولانا نے جس وقت اس میدان میں قدم رکھا ہے، بڑی بڑی مقدس، ذی علم اور اسلامی حمیت و غیرت سے بھرپور ہستیاں موجود

تھیں۔لیکن آپ کی رفتارِحرب وضرب اس قدر پُر زور اور مجاہدانہ پیش رفت اس قدر تیز تھی کہ دیکھتے دیکھتے اسلامی دفاع کا علم آپ نے اپنے ہاتھ میں لے لیا اور دوسرے تمام مجاہدین پیچھے رہ گئے۔

جنوری ۱۸۹۱ء میں جب مرزا صاحب کا دعویٰ منظر عام پر آیا تو ابھی آپ طالب علم تھے اور کوئی ڈیڑھ سال بعد ۱۸۹۲ء میں فارغ ہو کر گھر تشریف لائے۔لیکن طالب علمانہ دور ہی سے آپ نے ردّ وقدح شروع کر دی تھی۔قادیانی اکابرین سے آپ نے بار بار بحث وگفتگو کی۔اخبارات اور رسالوں میں تردیدی مضامین ومقالات لکھے۔حتیٰ کہ صرف چند برس بعد ۱۸۹۶ء میں مرزا صاحب نے ''انجام آتھم'' لکھی تو اپنے نامی اور اشد مخالفین کی فہرست میں مولانا بٹالوی اور مولانا احمد اللہ امرتسری کے پہلو بہ پہلو آپ کا بھی نام لکھا۔ [ص:۲۱۔۲۵]

اس کتاب کے ضمیمہ [ص:۲۰] میں مولانا کے ساتھ مباہلہ کی تحریک بھی ہے اور اس کا ثبوت بھی کہ آپ کی سرگرمیاں اس سے پہلے ہی اس مقام کو پہنچ چکی تھیں کہ پہلے بھی مباہلہ کی تحریک ہو چکی تھی۔پھر یہ جنگ تیز تر ہوتی گئی،حتیٰ کہ جولائی ۱۹۰۰ء میں زانو بزانو بیٹھ کر تفسیر نویسی کے مقابلہ کی تحریک ہوئی۔سارے شرائط طے ہو گئے اور انتظامات مکمل ہو گئے۔مگر مرزا صاحب مقابلہ کے لیے سرے سے تشریف ہی نہ لائے۔

۱۹۰۱ء سے مولانا امرتسری رحمہ اللہ نے قادیانیت کے خلاف باقاعدہ تصنیف کا سلسلہ شروع کیا۔پھر ۱۹۰۳ء میں ہفت روزہ ''اہل حدیث'' جاری کیا،جس کا ایک مستقل باب ردّ قادیانیت تھا۔۱۹۰۷ء میں ماہنامہ ''مرقع قادیان'' جاری فرمایا،جو پورا پورا ردّ قادیانیت ہی کے لیے وقف تھا۔

مرزا صاحب کی زندگی میں بھی اور ان کی وفات کے بعد بھی ان کی امت سے آپ نے بے شمار مناظرے کیے خود مرزا صاحب سے بھی مناظرے کی تحریک ہوئی اور آپ رحمہ اللہ ۱۹۰۳ء میں بلا جھجک قادیان جا دھمکے،مگر مرزا صاحب کو گھر کی چار دیواری سے نکلنے کی ہمت نہ ہوئی۔

مولانا کی مسلسل ضرب سے عاجز آ کر مرزا صاحب نے ۱۵/ اپریل ۱۹۰۷ء کو ایک اشتہار شائع کیا جس کا عنوان تھا ''مولوی ثناء اللہ صاحب کے ساتھ آخری فیصلہ'' اس اشتہار میں مرزا صاحب نے مولانا امرتسری رحمہ اللہ کو قادیانی سلسلہ کا نابود کرنے والا اور قادیانی عمارت کو ڈھا دینے والا قرار دیتے ہوئے خدا سے یہ فیصلہ چاہا کہ مرزا صاحب اور مولانا امرتسری میں سے جو جھوٹا ہو وہ سچے کی زندگی میں مرجائے اور صاف اور صریح لفظوں میں یہ اعلان بھی کیا کہ جو جھوٹا ہے وہ سچے کی زندگی میں مرجائے گا۔بالآخر اللہ تعالیٰ نے یہ آخری فیصلہ کر دیا۔۲۶/ مئی ۱۹۰۸ء کو مرزا صاحب کی موت واقع ہوگئی اور مولانا امرتسری رحمہ اللہ اس کے بعد چالیس برس تک مسلسل حیات اور باطل کے خلاف رزم آرا رہے۔یہ ایک خدائی نشان تھا جس نے حق وباطل کو ساری دنیا کے سامنے کھول کر رکھ دیا اور یہ ایک خدائی خلعت تھی جس کے لیے پوری امت مسلمہ میں سے مولانا امرتسری رحمہ اللہ کا انتخاب کیا گیا۔

مرزا صاحب کے انتقال کے بعد بھی قادیانیت کے قلعہ پر مولانا امرتسری رحمہ اللہ کی ضربِ پیہم جاری رہی۔ردّ قادیانیت ہفت روزہ ''اہل حدیث'' کا ایک مستقل باب تو تھا ہی پچاسوں کتابیں بھی اس موضوع پر لکھیں اور کئی سو مناظرے بھی کیے۔ایک زبردست اور فیصلہ کن مناظرہ جون ۱۹۰۹ء میں رام پور میں ہوا۔ہندوستان کے تمام اسلامی فرقوں کے ایک سو سے زائد چوٹی کے علماء کی موجودگی میں عین وقت پر مناظرے کے لیے آپ کا انتخاب ہوا اور بالآخر تیسرے دن قادیانی مناظرین میدان چھوڑ کر بھاگ گئے۔تمام علمائے کبار نے آپ کو فاتح قرار دیا،اور خاص نواب رام پور محمد حامد علی خاں صاحب نے آپ کو فتح کا سرٹیفکیٹ مرحمت فرمایا۔

ایک اور فیصلہ کن مناظرہ اپریل ۱۹۱۲ء میں لدھیانہ کے اندر ہوا۔قادیانیوں کو ایسی شکست فاش ہوئی کہ حسب شرائط قادیانیوں نے تین سو روپے بطور انعام مولانا امرتسری رحمہ اللہ کو دیئے۔

کتب ورسائل اور مناظروں کے علاوہ ردّ قادیانیت پر آپ نے کئی سو تقریریں بھی ارشاد فرمائیں اور شاگردوں کا پورا ایک جتھا اس

محاذ پر کام کرنے کے لیے تیار کردیا۔ یہاں تک کہ قادیانیوں کی وہ تعداد جسے قادیانی حضرات نو لاکھ تک بتایا کرتے تھے، ۱۹۳۵ء تک سمٹ سمٹا کر خود قادیانی خلیفہ دوم مرزا بشیر الدین کے حسب اقرار ایک لاکھ بھی نہیں رہ گئی۔'' [قادیانیت اپنے آئینہ میں، ص:۲۴۹]

فاتح قادیان حضرت مولانا ثناء اللہ امرتسری رحمہ اللہ نے ردّ قادیانیت میں اس قدر لکھا کہ اس سلسلے میں اپنی تصانیف کا شمار انھیں خود بھی یاد نہیں تھا۔ [تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو فتاویٰ ثنائیہ جلد اوّل مرتبہ مولانا محمد داؤد راز، ص:۵۵، ۵۶]

قادیانی لٹریچر جمع کرنے اور اس فتنے سے واقفیت حاصل کرنے کے لیے آپ نے اس قدر محنت کی کہ ایک مجلس میں مہتمم مدرسہ دیوبند مولانا حبیب الرحمٰن نے آپ کو مخاطب کرکے فرمایا کہ

''ہم لوگ ۳۰ سال تک بھی محنت کریں تو بھی اس بارے میں آپ کی واقفیت تک نہیں پہنچ سکتے۔'' [ایضاً]

حضرت امرتسری رحمہ اللہ کے متعلق معاصرین کی آراء:

اگرچہ یہ عنوان خاصہ طوالت کا متقاضی اور تفصیل طلب ہے لیکن ہم حضرت امرتسری رحمہ اللہ کے متعلق ان کے چند معاصرین کی آراء بالاختصار پیش کررہے ہیں تاکہ معلوم ہوسکے کہ مولانا کی شخصیت، علمی تبحر، دفاع اسلام کی خدمات اور مناظرانہ صلاحیتوں کے اپنے بیگانے سبھی قائل تھے، حتیٰ کہ جن کے خلاف آپ زندگی بھر برسرپیکار رہے وہ لوگ بھی آپ کی علمی جلالت اور مناظرانہ گرفت کی مضبوطی کے معترف تھے۔

مولانا حافظ محمد ابراہیم میر سیالکوٹیؒ: مولانا محمد ابراہیم سیالکوٹی نے غالباً ۱۹۱۸ء کے ایک زبردست جلسہ عام منعقدہ لاہور میں خطاب کرتے ہوئے مجددین کی علامت اور ان کے کارناموں کی نوعیت کی توضیح کی۔ ان دنوں مولانا امرتسری رحمہ اللہ قادیانیت کے خلاف اپنی جدوجہد کے دورِ شباب سے گزر رہے تھے۔ مولانا سیالکوٹی رحمہ اللہ نے فرمایا:

''جو بدعت کسی زمانے میں زور پر ہو اس سے اسلام اور اہل اسلام کو بچانے اور اس کو ردّ کرنے میں جو کوئی جتنا حصہ لے گا اسی قدر مجددیت سے اس کو حصہ ہوگا۔ جو سب سے زیادہ تردید اور ازالہ میں توغل کرے گا، اس کو زیادہ حصہ ہوگا۔ خود اس کا دعویٰ کرنا شرطِ مجددیت نہیں۔''

اس کے بعد مولانا سیالکوٹی رحمہ اللہ نے قادیانیت کی طرف اشارہ کرکے فرمایا:

''اس بدعت کے مٹانے میں جس نے بہت زیادہ حصہ لیا، یہاں تک کہ قوم کی طرف سے اس کو ''فاتح قادیان'' کا خطاب ملا، بس وہ اس صدی کا مجدد ہے۔'' [اہل حدیث امرتسر ۱۸/اکتوبر ۱۹۱۸ء]

سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ: رئیس الاحرار مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمہ اللہ نے آپ کو خراجِ تحسین وعقیدت پیش کرتے ہوئے فرمایا:

''میرے نزدیک اسلام کی صداقت وحقانیت کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ ثناء اللہ ایسا زیرک، معاملہ فہم، ذہین وفطین انسان اسلام کا علمبردار ہے۔ اور یہ صداقت اسلام کا جیتا جاگتا، چلتا پھرتا معجزہ ہے۔'' [المنبر لائل پور ۱۴/شعبان ۱۳۸۷ھ، ص:۴۰]

مولانا قاری محمد طیبؒ مہتمم دارالعلوم دیوبند: مولانا امرتسری رحمہ اللہ کی کتاب ''علم کلامِ مرزا'' پر اپنی رائے کا اظہار کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''مرزا غلام احمد قادیانی کے مختلف الالوان دعاویٰ کاذبہ پر علمائے اسلام کافی روشنی ڈال چکے ہیں۔ ان کی خانہ ساز نبوت، مجددیت، محدثیت، امامت وغیرہ کا پوری طرح پردہ فاش ہو چکا ہے۔ تاہم اس متنبّی قادیان کی چھپی ہوئی اور بہت ہی خفی روباہ بازیاں پردہ خفا میں رہ گئی تھیں۔ ان کو سامنے لاکر قوت سے کچلنے کے لیے شیر پنجاب ہی کی ضرورت تھی۔ خدا جزائے خیر دے مولانا ثناء اللہ صاحب امرتسری رحمہ اللہ شیر پنجاب کو کہ انھوں نے جہاں بہت سے پہلوؤں سے متنبّی قادیان کو تابدروازہ پہنچایا وہیں مرزا کے انوکھے علم کلام پر بھی کافی کلام کرکے اس کی قلعی کھول دی۔'' [علم کلام مرزا، ص: و۔ز]

مولانا سید سلیمان ندویؒ: سید صاحب رحمہ اللہ حضرت امرتسریؒ کے رسالے ''علم کلام مرزا'' پر اپنے تاثرات کا اظہار کرتے ہوئے رقم

طراز ہیں:

''موصوف ...... مولانا امرتسری رحمہ اللہ ...... کو مرزا صاحب کی کتابوں اور رسالوں پر جو عبور حاصل ہے وہ محتاجِ بیان نہیں۔ (پھر آگے چل کر اس موضوع پر اپنے مزید شوق کا اظہار ان لفظوں میں کرتے ہیں) مصنف (حضرت امرتسری رحمہ اللہ) سے شکایت ہے تو یہ ہے کہ یہ اپنے موضوع پر بہت مختصر ہے۔'' [علم کلام مرزا، ص: ز۔ح]

سید صاحب رحمہ اللہ نے ایک اور موقع پر لکھا تھا کہ

''مولانا ثناء اللہ صاحب کا قلم پنجاب کے اکھاڑے میں شمشیر مجاہد کی حیثیت رکھتا ہے۔'' [معارف اعظم گڑھ، اکتوبر ۱۹۴۱ء]

حضرت امرتسری رحمہ اللہ کی وفات کے بعد سید صاحب نے لکھا:

''مرحوم، اسلام کے بڑے مجاہد سپاہی تھے، زبان اور قلم سے اسلام پر جس نے بھی حملہ کیا اس کی مدافعت میں جو سپاہی سب سے آگے بڑھتا وہ وہی ہوتے۔ اللہ تعالیٰ اس غازی اسلام کو شہادت کے درجات ومراتب عطا فرمائے۔ انھوں نے مرزا کے خلاف صف آرائی کی اور اس وقت سے لے کر آخر دم تک اس تحریک اور اس کے امام کی تردید میں پوری قوت صرف کردی، یہاں تک کہ طرفین میں مباہلہ بھی ہوا، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ صادق کے سامنے کاذب نے وفات پائی۔''

[یادِ رفتگاں، ص: ۴۱۸-۴۲۱]

علامہ محمد جمیل سلفی مفتی حنابلہ (دمشق): موصوف نے مولانا ثناء اللہ رحمہ اللہ کو فیصلہ مرزا کے عربی ایڈیشن کے آرڈر کے سلسلے میں ایک خط بھیجا تھا۔ اس میں مولانا امرتسری رحمہ اللہ کو جن القاب سے نوازا اور جس انداز سے خطاب کیا ہے اس سے ان کی گہری عقیدت اور تاثرات کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ خط کا ترجمہ یہ ہے:

''حضرت امام، علامہ، قمر ہند، قطب علم ودین، فخر اسلام ومسلمین، مولانا ابوالوفاء ثناء اللہ امرتسری رحمہ اللہ ...... اللہ ان کے فضائل کو دوام بخشے اور ان کی خوبیوں کی پاسبانی کرے، آمین۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، اما بعد! میں کئی ماہ ہوئے آپ کی بلند پایہ تصنیف اور سودمند رسالہ (فیصلہ مرزا) سے بہرہ ور ہو چکا ہوں۔

اللہ آپ کو اسلام اور مسلمانوں کی طرف سے بہترین جزا دے، آمین۔

آپ نے یقیناً ملحد ومرتد غلام احمد قادیانی اور اس کے بعد اس کی جماعت سے پرزور جہاد کیا ہے اور اسلام کی مدافعت کا حق ادا کردیا ہے۔ ہمیں آپ کے اس رسالہ پر فخر ہے جو آپ کے گراں مایہ اور معروف کارناموں میں سے ایک ہے۔ وہ کارنامے جن میں (مباحثہ لدھیانہ کے موقع پر) مصنف سے فیصلہ کرانے کا معاملہ، جو آپ کی کامیابی پر مکمل ہوا اور (مرزا غلام احمد قادیانی سے) مباہلہ کا معاملہ جو آپ کے حریف کی موت پر مکمل ہوا اور جس کے نتیجے میں اللہ نے اس کا اور اس کی بدعت کا کام تمام کردیا۔ خصوصیت کے ساتھ قابل ذکر ہیں۔ **فالحمد لله على نصره وتاييده**

اگر آپ اس گوہر گراں مایہ (فیصلہ مرزا) کی چند کاپیاں ارسال فرما دیں تو ہم انھیں اس بدعت (قادیانیت) کے پیروکاروں، مخالفوں اور دیگر اہل علم ودین کے درمیان تقسیم کرکے انھیں حقیقت حال سے واقف کراسکیں گے۔'' محمد جمیل سلفی، مفتی حنابلہ، دمشق۔

[اہل حدیث امرتسر، ۱۰ جون ۱۹۳۲ء]

خواجہ حسن نظامی دہلوی رحمہ اللہ: آپ ہندوستان کی معروف ترین شخصیت تھے اور اپنے مبتدعانہ عقائد میں غلو کے سبب مولانا امرتسری رحمہ اللہ کے ساتھ حریفانہ کشاکش بھی رکھتے تھے۔ موصوف نے مولانا امرتسری رحمہ اللہ کے ایام جوانی میں ان کی شخصیت کا اعتراف ان الفاظ میں کیا ہے:

''عصر جدید کے علماء میں مولانا ثناء اللہ صاحب ایک خاص پایہ کے عالم ہیں۔ ان کی تحریر وتقریر میں بہت لطف اور علم کا نرالا انداز ہوتا ہے۔ اہل حدیث کانفرنس کی بنا ان ہی کی بدولت پڑی ...... مولانا ثناء اللہ نے بھی مخالفین کے سامنے بڑا کام کیا ہے اور اس معاملہ میں وہ اپنے حریف قادیانیوں سے کچھ کم نہیں ہیں ...... ان کی شخصیت بہت ملنسار ہے اور وہ ہر فرقہ والے سے خواہ اس سے کیسی ہی مخالفت ہو ملنے جلنے میں تعصب نہیں کرتے۔'' [خطیب دہلی، ۲۲ مارچ ۱۹۱۵ء]

یہی خواجہ حسن نظامی ۱۹۳۷ء میں ...... جب کہ مولانا امرتسری کی عمر ستر سال کو پہنچ رہی تھی ...... مولانا کی بابت لکھتے ہیں:

''ان (مولانا امرتسریؒ) کو مناظرہ کے فن میں اتنی بڑی مہارت ہے کہ ہندوستان میں بہت کم اتنی لیاقت رکھتے ہیں۔ جماعت اہل حدیث میں مولانا ہی ایسے نظر آتے ہیں جن میں برداشت کی قوت ہے اور جو اس میدان کے مرد ہیں۔'' [منادی دہلی، ۲۸ مئی ۱۹۳۷ء]

خواجہ صاحب ایک اور موقع پر لکھتے ہیں:

''مولانا موصوف (امرتسری) کی ساری زندگی خدمت اسلام میں گزری۔ دشمنان اسلام کے ہر حملہ کا فوری جواب ان کی طرف سے شائع ہوتا ہے۔'' [مقدس رسول ﷺ، ص: ۴، طبع سوم]

(۱۹)......حضرت مولانا محمد ابراہیم میر سیالکوٹی رحمہ اللہ:

مولانا میر سیالکوٹی رحمہ اللہ (ولادت ۱۲۹۳ھ وفات ۱۳۷۵ھ) بھی مولانا امرتسری رحمہ اللہ کی طرح شیخ الکل حضرت میاں صاحب رحمہ اللہ کے تلامذہ میں سے ہیں۔ آپ کے متعلق مولانا صفی الرحمٰن مبارکپوری لکھتے ہیں:

''موصوف چوٹی کے علمائے اہل حدیث میں سے تھے اور ردّ قادیانیت کے میدان میں صف اوّل کے قائد ومجاہد تھے۔ ہندوستان کے بہت سے بڑے بڑے اور چوٹی کے علماء بھی اس میدان میں آپ سے پیچھے نظر آتے ہیں۔ درحقیقت آپ مولانا ثناء اللہ صاحب امرتسری رحمہ اللہ کے دست راست بلکہ یارِ غار تھے اور ان کے ساتھ گردشِ پیہم میں مصروف رہتے تھے۔ آپ نے بے شمار جلسوں سے خطاب کیا، صدہا مناظرے کیے اور بہت سی تصانیف قلم بند کیں۔ ردّ مرزائیت کے باب میں آپ کی کتاب ''شہادۃ القرآن'' اپنے موضوع پر اپنی نظیر آپ ہے۔ ایک اور تصنیف ''رسائل ثلاثۃ'' (امام زماں، مہدی منتظر، مجددِ دوراں) بھی موصوف کے منفرد اندازِ استدلال اور ناقابل تردید طریقہ گرفت کی آئینہ دار ہے۔ آپ نے ''الہادی'' کے نام سے ایک ماہانہ رسالہ بھی جاری کر رکھا تھا۔ قادیانی حضرات آپ کا نام سن کر گھبراتے تھے۔''

[قادیانیت اپنے آئینے میں، ص: ۲۵۷]

۱۹۳۲ء میں ایک خاتون مولانا سیالکوٹی کے گھر آئی اور اس نے بیان کیا کہ بعض قادیانی خواتین مسلمانوں کے گھروں میں جا کر اپنے عقائد کی تبلیغ کرتی ہیں اور اکثر مسلمان بہنیں ناخواندہ اور عام مذہبی مسائل سے ناواقف ہوتی ہیں۔ اس لیے دیگر ہم خیال مسلمان بہنوں نے مجھے نمائندہ بنا کر بھیجا ہے کہ میں آپ سے ایک چھوٹی سی کتاب لکھنے کی درخواست کروں جس میں قادیانیوں کے ضروری مسائل بیان ہوں۔ چناں چہ مولانا سیالکوٹی رحمہ اللہ نے ان کی درخواست کو قبول فرماتے ہوئے رسالہ ''صدائے حق'' صرف دو نشستوں میں تحریر فرمایا۔

[صدائے حق، ص: ۲-۱۶]

آپ کا یہ رسالہ اگرچہ مختصر ہے تاہم اپنے موضوع پر انتہائی مدلل، سادہ اور عام فہم ہے۔ ردّ قادیانیت میں آپ کی اصل معرکہ آرا تصنیف ''شہادۃ القرآن'' ہے، جسے ہر مکتب فکر کے علماء نے پسندیدگی کی نظر سے دیکھا۔ چناں چہ مولانا حبیب الرحمٰن استاذ دارالعلوم دیوبند ہمیشہ اپنے طلباء اور زیر اثر شائقین کو اس کی طرف توجہ دلایا کرتے تھے۔

مولانا عبدالقادر رائے پوری رحمہ اللہ نے اپنی زندگی میں اس کو حرف بحرف سنا اور اس کے طبع کرنے کا حکم فرمایا۔ چناں چہ شعبہ نشر واشاعت مجلس تحفظ ختم نبوت پاکستان ملتان شہر نے آپ ہی کے ارشادِ گرامی پر اس کی طباعت کا انتظام کیا۔

پیر مہر علی شاہ صاحب گولڑوی رحمہ اللہ نے اس کتاب کے متعلق فرمایا:

''رسالہ مؤلفہ جناب مولوی محمد ابراہیم صاحب سیالکوٹی کا نظر ناقص سے گزرا، جس نے اہل اسلام کو الحاد اور تحریف سے بچانے کی وجہ سے ممنون وماموں فرمایا۔ یا اللہ! مولوی محمد ابراہیم صاحب کو لمبی زندگی عطا فرما کر اسلام اور مسلمانوں کی مدد فرما اور بے دینوں، بدعتیوں کو ذلیل فرما۔ ان (مولوی صاحب) کے گناہ معاف فرما اور نیکیاں بڑھا۔'' [شہادۃ القرآن، ص: ۲۲۸]

مذکورۃ الصدر کتب کے علاوہ بھی اس موضوع سے متعلقہ آپ کے کئی ایک رسالے اور تصانیف موجود ہیں جنھیں ہم اختصار کے پیش نظر یہاں نظر انداز کر رہے ہیں۔

(۲۰)......حضرت حافظ عبداللہ محدث روپڑی رحمہ اللہ:

حضرت حافظ عبداللہ روپڑی رحمہ اللہ (ولادت ۱۳۰۴ھ وفات ۱۳۸۴ھ) اپنی محدثانہ، فقیہانہ اور مجتہدانہ خدمات کی بدولت علمائے اہل حدیث میں ممتاز مقام کے حامل تھے۔ فتویٰ نویسی میں آپ کو کمال حاصل تھا۔ معقولات ومنقولات سب میں بڑی مہارت رکھتے تھے۔ مولانا محمد حسین بٹالوی رحمہ اللہ اور مولانا عبدالرحمٰن مبارکپوری رحمہ اللہ جیسے فاضل بھی آپ کے علم وفضل کے معترف تھے۔ مسائل کی تحقیق وتنقیح کا آپ کو خصوصی ملکہ حاصل تھا۔ باطل فرقوں کی تردید میں پیش پیش رہتے تھے۔

قادیانیوں کے خلاف مضامین بھی لکھا کرتے تھے اور مناظروں میں بھی شریک ہوا کرتے تھے "تنظیم اہل حدیث" کے نام سے ہفت روزہ اخبار آپ کی ادارت میں نکلتا تھا، جو اب بھی جاری ہے۔ اس میں دیگر بلند پایہ مضامین کے ساتھ ساتھ فتنہ قادیانیت کی تردید میں بھی مضامین شائع ہوتے تھے۔

قادیانیت کی تردید میں آپ نے ایک مستقل کتاب بنام "مرزائیت اور اسلام" بھی تالیف فرمائی ہے۔ یہ کتاب پہلی مرتبہ ۱۳۷۳ھ (مطابق ۱۹۵۴ء) میں ادارہ دینیات جامع قدس اہل حدیث، چوک دالگراں، لاہور کی طرف سے طبع ہوئی۔ ۶۴ صفحات کی یہ کتاب، مسئلہ ختم نبوت اور تحریک ختم نبوت کے سلسلے میں نہایت عمدہ اور علمی مباحث پر مشتمل ہے۔ اس کے دیباچہ بعنوان "ضروری گزارش" میں مصنف رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

"اس رسالہ کا مضمون قریباً مارچ ۱۹۵۳ء کا لکھا ہوا ہے، جب کہ تحریک "راست اقدام" (تحریک ختم نبوت) زوروں پر تھی۔ چناں چہ قارئین کرام کو اس مضمون کے پڑھنے سے معلوم ہوجائے گا، ان شاء اللہ۔"

"اس مختصر مضمون میں مسئلہ ختم نبوت اور لفظ "خاتم النبیین" کے معنی پر بھی معقول بحث کی گئی ہے۔ اخیر میں مسلمان اور مرتد کی تعریف اور راعی ورعیت کے متعلقہ چند مسائل پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ مرزائیت کے متعلق مسلمانوں کے متفقہ مطالبات کی اصل حقیقت کو سمجھنے کے لیے یہ مضمون ان شاء اللہ مشعل راہ ہوگا، واللہ الموفق۔" [مرزائیت اور اسلام، ص:۲]

(۲۱)......حضرت مولانا محمد ابوالقاسم سیف بنارسی رحمہ اللہ:

مولانا ابوالقاسم بنارسیؒ (ولادت ۱۳۰۷ھ وفات ۱۳۶۹ھ) مشہور اہل حدیث عالم دین مولانا محمد سعید بنارسی رحمہ اللہ کے لائق ترین فرزند تھے۔ آپ نے بھی اپنے والد کی طرح مسلک اہل حدیث کی تبلیغ واشاعت میں بڑی مخلصانہ جدوجہد کی۔ تحریر، تقریر، مناظرہ غرض ہر میدان میں آپ نے نمایاں خدمات سرانجام دیں۔

فتنہ قادیانیت کی تردید میں آپ نے بھی بڑی سرگرمی سے حصہ لیا اور انتہائی بلند پایہ خدمات سرانجام دیں۔ "تراجم علمائے حدیث" میں ان کی تصانیف کی فہرست میں ایک کتاب "معیار نبوت" کا تذکرہ ملتا ہے جس کے نام ہی سے معلوم ہوتا ہے کہ مرزائیت کے ردّ میں لکھی گئی ہے۔

(۲۲)......حضرت مولانا نور حسین گرجاکھی رحمہ اللہ:

مولانا نور حسین گرجاکھی رحمہ اللہ (ولادت ۱۳۱۱ھ وفات ۱۳۷۱ھ) مشہور علمائے اہل حدیث میں سے ہیں، انتہائی عابد وزاہد تھے۔ تقریر، تحریر، مناظرہ سب ہی کی صلاحیتوں کے حامل تھے اور انھوں نے ان تمام صلاحیتوں کو مسلک اہل حدیث کی اشاعت کے لیے وقف کررکھا تھا۔ شاعری کا ذوق بھی رکھتے تھے۔ پنجابی زبان میں مسلک اہل حدیث پر بہت مؤثر نظمیں لکھیں جو آج تک عوام سے دادِ تحسین حاصل کررہی ہیں۔

فن مناظرہ میں آپ کی حیثیت تسلیم شدہ ہے۔ آپ حضرت مولانا ثناء اللہ امرتسری رحمہ اللہ کے تربیت یافتہ تھے۔ سینکڑوں عیسائی، شیعہ، قادیانی وغیرہ آپ کے ذریعے صراطِ مستقیم پر آ گئے۔

قادیانیت کے ردّ میں آپ خصوصی دلچسپی رکھتے تھے۔ گوجرانوالہ اور گردونواح کے باشندگان کو معلوم ہے کہ آپ نے قادیانیوں سے کئی

مناظرے کیے اور سب میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو سرخرو فرمایا۔ اس سلسلے میں آپ نے تصنیف وتالیف کے میدان میں بھی کئی خدمات سرانجام دی ہیں۔ چناں چہ پنجابی زبان میں آپ کی ایک نظم بعنوان ''مرزے دا ترل منارہ'' بہت مشہور ہے۔ اسی طرح اردو میں مرزائیت کے ردّ میں آپ نے ایک مستقل رسالہ بنام ''ختم نبوت'' تالیف فرمایا۔

یہ رسالہ دوسری مرتبہ ۱۹۳۳ء میں طبع کیا گیا تھا۔ اس کی پہلی طباعت کی تاریخ معلوم نہیں ہوسکی۔ اس میں مولانا نور حسین رحمہ اللہ نے عقیدۂ ختم نبوت کو از روئے آیاتِ قرآنیہ، احادیث رسول حقانی صلی اللہ علیہ وسلم واقوالِ مرزائے قادیانی انتہائی مدلل انداز میں بیان فرمایا ہے اور اس متفق علیہ عقیدے کے متعلق پیدا کیے جانے والے تمام شکوک وشبہات اور تاویلاتِ فاسدہ کا ازالہ کردیا ہے۔ یہ رسالہ تقریباً ۲۸ صفحات پر مشتمل ہے۔

(۲۳)......حضرت مولانا محمد داؤد غزنوی رحمہ اللہ:

مولانا محمد داؤد غزنوی رحمہ اللہ (ولادت ۱۳۱۳ھ وفات ۱۳۸۳ھ) غزنوی خاندان کے چشم وچراغ اور حضرت الامام عبدالجبار غزنوی رحمہ اللہ کے فرزند ارجمند تھے۔ سیاسی طور پر بھی آپ کو ممتاز مقام حاصل تھا اور علمی اعتبار سے بھی جید علمائے اہل حدیث میں شمار ہوتے تھے۔ کچھ عرصہ تک مجلس احرار اسلام کے سیکرٹری رہے۔ بعد میں جماعت اہل حدیث پاکستان کے امیر منتخب ہوئے اور تادمِ واپسیں اس منصب پر فائز رہے۔

فتنۂ قادیانیت کی تردید میں اپنے والد محترم کے نقش قدم پر چلتے ہوئے آپ نے بھی بھرپور حصہ لیا۔ آپ ۱۹۵۳ء کی تحریک ختم نبوت کے سلسلے میں علمائے اسلام کی قائم کردہ مجلس عمل کے رکن تھے۔ شورش کاشمیری اپنی کتاب ''تحریک ختم نبوت'' میں علمائے اہل حدیث کی خدمات کے ضمن میں لکھتے ہیں:

''اس سلسلہ میں غزنوی خاندان نے عظیم خدمات انجام دیں۔ مولانا داؤد غزنوی رحمہ اللہ جو جماعت اہل حدیث کے امیر اور مجلس احرار اسلام کے سیکرٹری رہے، انھوں نے اس محاذ پر بے نظیر کام کیا۔''

[تحریک ختم نبوت، ص:۴۱]

اس سلسلہ میں عملی جدوجہد کے علاوہ تقریر اور تحریر کے میدان میں بھی آپ کی خدمات نہایت روشن اور لائق ستائش ہیں۔ بے شمار تقاریر ہیں، جن کے ذریعے آپ نے مرزائیت کے سلسلے میں عامۃ الناس کے اذہان کو صاف کیا، مرزائیوں کے پھیلائے ہوئے شکوک وشبہات اور مغالطات کا ازالہ کیا اور عقیدۂ ختم نبوت کی صداقت واہمیت اجاگر کی۔

۱۹۳۶ء میں آپ نے اپنے ایک انتہائی مدلل اور مفصل مضمون بعنوان ''اسلام اور قادیانیت'' تحریر فرمایا تھا، جس میں مرزا غلام احمد اور مرزا محمود وغیرہ کی باحوالہ تحریروں اور ان کے طرزِ عمل سے یہ ثابت کیا گیا تھا کہ مرزائی جماعت مسلمانوں سے بالکل الگ ایک جماعت ہے اور اس بات کی مستحق ہے کہ اسے مسلمانوں سے الگ ایک اقلیت قرار دیا جائے۔ اس مضمون کے آغاز میں مولانا غزنوی رحمہ اللہ نے مرزا صاحب کے دعاویٔ مختلفہ کے مکارانہ تدریجی ارتقاء پر بڑے حکیمانہ اسلوب میں روشنی ڈالی ہے، آپ فرماتے ہیں:

''قادیانیت ایک فتنہ ہے، لیکن یہ فتنہ ہر اعتبار سے پہلے فتنوں سے زیادہ اہم، زیادہ وسیع، زیادہ منظّم اور حکومت وقت کی پشت پناہی کے ساتھ خود کاشتہ پودے کی طرح پرورش پارہا ہے۔''

''بانی فرقہ نے مسلمانوں کی درماندگی اور ذلت کا یقین رکھتے ہوئے اور مسلمانوں کی پستی کو ابدی زوال خیال کرتے ہوئے مجددیت، مہدویت، مسیحیت اور نبوت کے دعاوی کو بتدریج پیش کیا۔ جوں جوں حکومت وقت کی آئینی گرفت اس بدقسمت ملک کے رہنے والوں پر قوی تر ہوتی گئی، بانی فرقہ اپنے دعاوی کو پہلے سے بلند وارفع کرتا چلا گیا۔ حتی کہ وہ وقت آ گیا جب کہ بانی فرقہ کو یقین آ گیا کہ حکومت کا دیا ہوا امن وامان جہاں اس کے دعاوی کی بلاخطر اشاعت اور آزادانہ تبلیغ کا ضامن ہے وہاں حکومت کی قوت وسطوت ملک پر وہ سکہ بٹھا چکی ہے کہ دعاوی کو اگر انتہائی منزل تک پہنچا کر بالکل نئے مذہب اور

نئی امت کی بنیاد رکھ دی جائے، تو مسلمانوں کی قوت مزاحم نہ ہو سکے گی۔'' [مقالاتِ مولانا محمد داؤد غزنوی، ص:۳۰۲،۳۰۳]

۱۹۵۳ء کی تحریک ختم نبوت کے دوران آپ کی ذمہ داری اور مصروفیت بہت زیادہ بڑھ گئی تھی۔ چناں چہ اس تحریک کی تحقیقات کے لیے حکومت کی طرف سے سابق چیف جسٹس مسٹر منیر اور جسٹس ایم آر کیانی پر مشتمل جو تحقیقاتی کمیٹی تشکیل دی گئی تھی، اس کے سامنے بیان دینے کے لیے سب جماعتوں کے اپنے اپنے الگ وکیل تھے۔ مجلس تحفظ ختم نبوت کے سبھی راہنما نظر بند تھے اور مذہبی جماعتوں کے متحدہ محاذ کی مجلس عمل کے ناظم اعلیٰ مولانا غزنوی اور وکیل سید حسین شہید سہروردی تھے۔ مولانا غزنوی مسٹر سہروردی کو تیاری کروایا کرتے تھے۔ مگر مسئلے میں کچھ ایسی پیچیدگیاں تھیں کہ مسٹر سہروردی وکالت چھوڑ گئے، اور وکالت ونمائندگی کا سارا بوجھ مولانا کے کندھوں پر پڑھ گیا۔ تحقیقاتی کمیٹی کے سامنے ان کی مدلل بحث اور زور دار دلائل سے متاثر ہو کر جسٹس کیانی نے ایک دفعہ کہا تھا کہ ''مولانا! اگر میرے بس میں ہوتا تو میں آپ کو وکالت کا سرٹیفکیٹ دے دیتا۔'' [تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو ''کاروانِ شوق'' مصنفہ حکیم آفتاب احمد قرشی اور ''سیدی وابی'' از مولانا ابوبکر غزنوی رحمہ اللہ]

(۲۴)......شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد اسماعیل سلفی رحمہ اللہ:

مولانا محمد اسماعیل سلفی رحمہ اللہ (ولادت ۱۳۱۴ھ وفات ۱۳۸۷ھ) علومِ حدیث میں مہارت کے سبب ''شیخ الحدیث'' کے لقب سے مشہور ہوئے۔ حافظ عبدالمنان وزیر آبادی رحمہ اللہ اور مولانا ابراہیم میر سیالکوٹی کے ارشد تلامذہ میں سے ہیں۔ کامیاب مدرس، بہترین مقرر اور بلند پایہ مصنف تھے۔ کئی ایک علمی کتابیں آپ کی یادگار ہیں۔

فتنہ قادیانیت کے خلاف بھی آپ کی بے شمار خدمات ہیں۔ تقریر اور تحریر، دونوں ہتھیاروں سے آپ اس میدان میں معرکہ آرا رہے اور ۱۹۵۳ء کی تحریک ختم نبوت کے دوران قید وبند کی سعادت بھی حاصل ہوئی۔ حضرت مولانا محمد عطاء اللہ حنیف رحمہ اللہ نے ان کی وفات پر جو مضمون تحریر فرمایا تھا اس میں لکھا تھا کہ مولانا محمد اسماعیل سلفی رحمہ اللہ:

''پاکستان میں اسلامی نظام کے مطالبہ کے سلسلہ میں ہر قدم پر مولانا غزنوی رحمہ اللہ کے ساتھ جماعت اہل حدیث کی بہترین نمائندگی فرماتے رہے۔ ۱۹۵۳ء کی تحریک ختم نبوت کے دور میں مجلس عمل میں ہم تینوں جماعت اہل حدیث کے نمائندے رہے، مولانا محمد داؤد غزنوی، مولانا محمد اسماعیل اور راقم الحروف، لیکن اس سلسلہ میں قید وبند کا شرف صرف مولانا محمد اسماعیل رحمہ اللہ کے حصے میں آیا۔''

[الاعتصام، یکم مارچ ۱۹۶۸ء، ج:۱۹، شمارہ:۳۱]

تردید مرزائیت کے سلسلہ میں آپ کا ایک مضمون بعنوان ''مرزا غلام احمد معمولی اخلاق کی روشنی میں'' بھی قابل ذکر اور لائق مطالعہ ہے۔ اس میں آپ نے مرزا صاحب کی صداقت کو ایک نئے انداز میں پرکھنے کی کوشش فرمائی ہے۔ ایک مقام پر آپ لکھتے ہیں:

''حسن خلق عام انسانی شرافت کا ایک معیار ہے لیکن پیغمبر میں اس خوبی کا ہونا اور بھی ضروری ہے۔ اگر کوئی نبوت کا مدعی عام شرافت کے معیار پر بھی پورا نہ اترے تو اس کی نبوت سے بحث کرنا بے ضرورت مشغلہ ہوگا اور بس۔''

اس کے بعد آپ نے مرزا صاحب کی دشنام طرازیوں کے چند نمونے پیش فرمائے ہیں اور آخر میں جا کر لکھتے ہیں:

''جس شخص کا اخلاق اتنا پست ہو، جس کی زبان عام شریف انسانوں کی شرافتوں سے بھی فروتر ہو، اسے نبی، مجدد یا مہدی کیوں کر مانا جائے۔'' [الاعتصام، یکم رجب ۱۳۶۹ھ مطابق ۲۱ اپریل ۱۹۵۰ء]

اس کے علاوہ آپ نے مولانا ابراہیم کمیرپوری کی کتاب ''فسانہ قادیان'' پر انتہائی مفید مقدمہ بھی تحریر فرمایا تھا جس میں مرزائیوں کے پانچ اصول بیان کیے تھے جو درج ذیل ہے:

① انگریزی حکومت کی خدمت جس طرح ممکن ہو، ② آزادی پسند افراد اور جماعتوں کی مقدور بھر مخالفت، ③ فریضہ جہاد کی مخالفت تا کہ ملی زندگی کا خاتمہ ہو، ④ بیرونی ممالک میں تبلیغی مشن بھیجنا تا کہ انگریز کی جاسوسی کی خدمت انجام دیں اور اعلیٰ تعلیم بھی حاصل کریں، ⑤ مسلمانوں کو آپس میں لڑاتے رہنا تا کہ قوت باہم صرف ہوتی

رہے اور انگریز آرام سے حکومت کریں۔

(۲۵)......حضرت مولانا محمد عبداللہ معمار امرتسری رحمہ اللہ:

مولانا محمد عبداللہ معمار امرتسری رحمہ اللہ (ولادت ۱۳۱۴ھ وفات ۱۳۶۹ھ) مولانا ثناء اللہ امرتسری رحمہ اللہ کے تربیت یافتہ تھے۔ غربت کی وجہ سے بچپن میں صرف چار جماعت تک ہی تعلیم حاصل کر سکے تھے۔ مولانا ثناء اللہ کے مناظروں میں شرکت کی وجہ سے قادیانیت کی تحقیق اور اس کے خلاف کام کرنے کا شوق پیدا ہوا۔ کام شروع سے ہی راج گیری کا کرتے تھے اور اسی وجہ سے معمار کے نام سے مشہور ہوئے، لیکن فرصت کے اوقات میں مرزا صاحب کی کتابوں کا مطالعہ کرتے تھے۔ غضب کے ذہین اور معاملہ فہم تھے۔ تھوڑی ہی مدت میں مرزا صاحب کے لٹریچر کے تمام پلندے کو حافظے میں محفوظ کرلیا۔ دیکھتے ہی دیکھتے مرزائیت کے خلاف ہونے والے عام جلسوں کے مشہور مقرر بن گئے اور پھر مولانا ثناء اللہ رحمہ اللہ کی کوششوں سے مرزائیت کے خلاف مناظرہ کرنے والوں میں بھی بہت جلد ایک خاص مقام حاصل کرلیا۔

آپ کے پاس مرزا کی اصل تصانیف اور قادیانی لٹریچر کا ایک بہت بڑا ذخیرہ تھا۔ ۱۹۴۷ء کے ہنگامہ نقل مکانی میں گھر بار کا کوئی ساز وسامان تو ساتھ نہ لا سکے، البتہ اپنے اندوختہ قادیانی لٹریچر کا ایک حرف بھی ضائع نہ ہونے دیا، فرمایا کرتے تھے کہ یہ میری تمام عمر کی کمائی ہے اور اس عمر بھر کی کمائی کی افادیت واہمیت اس وقت مزید اجاگر ہوتی تھی جب آپ مرزائی مناظروں کو ان کے بانی کی اصل عبارتیں دکھا کر لاجواب کردیا کرتے تھے۔

ہندوستان کی تقسیم کی بعد آپ امرتسر سے گوجراں والہ شہر منتقل ہوگئے تھے۔ کچھ عرصہ کے بعد چنیوٹ کی جماعت آپ کو مرزائیوں کے خلاف تبلیغ کی خاطر وہاں لے گئی، مگر آپ کے اہل وعیال گوجراں والہ میں ہی سکونت پذیر رہے۔

قادیانیت کے خلاف آپ نے بے شمار تقریریں اور مناظرے کیے اور بہت سارے رسالے اور کتابیں تالیف فرمائیں جن میں سرفہرست آپ کی ''محمدیہ پاکٹ بک'' ہے۔

اس کتاب کی طبع چہارم کا اہتمام استاذنا المحترم حضرت مولانا محمد عطاء اللہ حنیف رحمہ اللہ کی زیرنگرانی مکتبہ سلفیہ کی طرف سے کیا گیا۔ آپ رحمہ اللہ اس کتاب کے دیباچے میں فرماتے ہیں:

''...... کتاب ''محمدیہ پاکٹ بک'' ......جس کی بنیادِ تالیف تو دراصل ''احمدیہ پاکٹ بک'' کا علمی وتنقیدی جائزہ لینا اور اس کے مغالطّوں سے پردہ اٹھانا تھا۔ بعض ایسی منفرد خصوصیات کی حامل ہے کہ اس کو حرفِ آخر کا درجہ حاصل ہوگیا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے حسن قبول بھی ایسا بخشا کہ ہر طبقہ وخیال کے اہل علم اور عوام نے اس کا خیر مقدم کیا۔ چناں چہ سابقہ تینوں اشاعتیں اپنے اپنے دورِ اشاعت میں جلد ہی ہاتھوں ہاتھ نکلتی چلی گئیں۔'' [محمدیہ پاکٹ بک، ص:ا]

''مرزا صاحب کی تصنیفات اور قادیانی لٹریچر سے بہ کثرت پیشین گوئیاں جمع کی گئی ہیں اور انھیں واقعات، دلائل اور شواہد سے ناقابل ردّ طریق پر دکھایا ہے کہ وہ غلط ہیں اور خلاف واقعہ نکلیں، اکثر موقعوں پر مرزا صاحب نے پیشین گوئیوں کے غلط ٹھہرنے پر تاویلیں کی تھیں، فاضل مؤلف نے دلائل سے ان تاویلوں کا پردہ بھی چاک کیا ہے، پھر ختم نبوت، حیات مسیح علیہ السلام اور نزول مسیح علیہ السلام وغیرہ متعلقہ مسائل پر دلچسپ بحثیں ہیں۔

یہ کتاب صحیح مناظرانہ اصولوں پر لکھی گئی ہے، طریق استدلال پُر زور، طرزِ ادا دلچسپ اور لب ولہجہ متین اور سنجیدہ ہے۔''

[رسالہ معارفِ اعظم گڑھ، جون ۱۹۳۵ء]

اسی طرح مولانا عبداللہ معمار رحمہ اللہ کی ایک اور تالیف بنام ''مغالطات مرزا عرف الہامی بوتل'' بھی قابل ذکر ہے۔ یہ کتاب بھی کئی مرتبہ طبع ہوچکی ہے۔ اس وقت ہمارے سامنے اس کا ''سکول بک ڈپو گوجراں والہ'' کی طرف سے شائع شدہ ایڈیشن ہے جس پر تاریخ طباعت درج نہیں۔

اس کتاب میں مرزا صاحب کے عجیب وغریب مغالطات، پراز دجل وفریب الہامات، مخفی درمخفی چالوں اور متناقض ومتخالف بیانات کا

انکشاف کر کے ان کی مفصل و مدلل طور پر دلچسپ انداز میں تردید کی گئی ہے۔ علاوہ ازیں ردّ مرزائیت پر آپ کے بے شمار مضامین ''اہل حدیث'' امرتسر کی فائلوں میں محفوظ ہیں۔ کاش کوئی صاحب علم وذوق انھیں جمع کر کے شائع کر دے۔

(۲۶)......حضرت العلام مولانا حافظ محمد گوندلوی رحمہ اللہ:

حضرت العلام، شیخ العرب والعجم، حافظ محمد گوندلویؒ (ولادت ۱۳۱۵ھ وفات ۱۴۰۵ھ) جملہ علوم وفنون میں امام وقت تھے۔ علوم شریعت کی تدریس وتعلیم میں عمر گزار دی۔ عرب وعجم دونوں ہی آپ کے علمی فیض سے مستفیض ہوئے۔ آپ امام عبدالجبار غزنوی رحمہ اللہ کے ارشد تلامذہ میں سے ہیں۔ پاک وہند کے اکثر وبیشتر ممتاز علماء آپ کے بالواسطہ یا بلاواسطہ شاگرد ہیں۔

تصنیف وتالیف کا ذوق بھی رکھتے تھے۔ کئی ایک چھوٹی بڑی علمی تصانیف آپ کی یادگار ہیں، جن میں سے ایک انتہائی اہم تصنیف ''ختم نبوت'' ہے۔ اس میں آپ نے مسئلہ ختم نبوت پر انتہائی فاضلانہ اور فلسفیانہ انداز میں بحث کی ہے اور ختم نبوت کی حقانیت کو عقلی اور نقلی دونوں طرح کے دلائل سے ثابت کیا ہے۔

مرزائیت اور دیگر باطل مذاہب کے خلاف مناظروں میں بھی آپ شریک ہوتے رہے ہیں۔

(۲۷)......حضرت مولانا احمد دین گکھڑوی رحمہ اللہ:

مولانا احمد دین گکھڑوی رحمہ اللہ (ولادت ۱۸، ۱۳۱۷ھ وفات ۱۳۹۳ھ) متاخرین علمائے اہل حدیث میں ممتاز مقام کے حامل ہیں۔ آپ کی زیادہ شہرت کا سبب آپ کی فن مناظرہ میں خصوصی دسترس اور مہارت ہے۔ انتہائی سادگی پسند اور درویش صفت عالم دین تھے۔ ردّ عیسائیت ومرزائیت آپ کا خصوصی موضوع تھا۔ ان کے خلاف نہ صرف زبانی مناظروں میں حصہ لیتے تھے بلکہ تصنیف وتالیف کا سلسلہ بھی جاری تھا۔ ''تذکرہ علمائے پنجاب'' میں آپ کی چھ تصانیف کا ذکر کیا گیا ہے، جن کے نام سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ سب کی سب عیسائی پادریوں کے جواب میں ہیں۔ آپ کے متعلق کتابِ مذکور کا مصنف رقم طراز ہیں:

''مولانا احمد دین اپنے ذوق کے اعتبار سے بلند پایہ مقرر اور مناظر تھے، انھوں نے اہل حدیث کے امتیازی مسائل پر دیوبندی اور بریلوی حضرات سے مناظرے بھی کیے ہیں لیکن ان کا اصل ہدف قادیانی اور عیسائی مناظر تھے۔'' [تذکرۂ علمائے پنجاب، ج:۱،ص:۹۱]

مرزائیوں کے خلاف آپ نے ایک مضمون بعنوان ''حیاتِ مسیح'' بھی تحریر فرمایا تھا جو ''صحیفہ اہل حدیث'' کراچی میں شائع ہو چکا ہے۔ اس میں آپ نے قرآنِ مجید سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی حیات کو ثابت فرمایا تھا۔

(۲۸)......حضرت مولانا عبدالمجید خادم سوہدروی رحمہ اللہ:

مولانا عبدالمجید خادم سوہدرویؒ (ولادت ۱۹۔۱۸۔۱۳۱۸ھ وفات ۱۳۷۹ھ) حافظ عبدالمنان وزیر آبادیؒ کے نواسے، مولانا عبدالحمید سوہدرویؒ کے بیٹے اور مولانا غلام نبی سوہدرویؒ کے پوتے تھے۔ علومِ دینیہ پر گہری نظر رکھتے تھے، عرفان وتصوف اور اصلاحِ قلب وباطن کے ساتھ بھی دلی لگاؤ رکھتے تھے۔

تصنیف وتالیف کا بھی عمدہ ذوق تھا۔ کئی مفید کتابوں کے مصنف ہیں۔ آپ نے فتنہ قادیانیت کے خلاف ''داستانِ مرزا'' کے نام سے ایک کتاب تالیف فرمائی تھی، جس میں مرزا صاحب کے بارے میں بہت عمدہ انداز میں بحث ہے۔ اس کے علاوہ اپنے اخبار ''مسلمان'' اور ''اہل حدیث'' میں قادیانیت کی تردید میں بے شمار مضامین تحریر فرمائے جن کی اہمیت کا صحیح اندازہ ان کو پڑھ کر ہی کیا جاسکتا ہے۔ تصنیف وتالیف کے ساتھ ساتھ نشر واشاعت کا ذوق اور صلاحیت بھی رکھتے تھے، اس لیے اس میدان میں بھی قادیانیت کے خلاف آپ کی خاصی خدمات ہیں۔

(۲۹)......مولانا حکیم محمد عبداللہ جہانیاں والے رحمہ اللہ:

مولانا حکیم محمد عبداللہ (ولادت ۱۳۲۲ھ وفات ۱۳۹۴ھ) مشہور

عابد وزاہد اہل حدیث عالم دین مولانا محمد سلیمانؒ روڑی والے کے فرزند ارجمند تھے۔ اپنی بے شمار اور مفید طبی تصانیف کی بنا پر دنیائے طب کی مشہور ترین شخصیت تھے۔ طب وحکمت کی خدمت کے ساتھ ساتھ دین وملت کی خدمت میں بھی پیش پیش رہتے تھے۔

آپ کی فن طب سے وابستگی کی وجہ سے مشہور قادیانی مناظر حکیم اللہ دتہ جالندھری سے بھی کبھی کبھی ملاقات ہوجایا کرتی تھی۔ خصوصاً جب آپ لاہور تشریف لائے تو جالندھری صاحب آپ سے ملنے کے لیے خصوصی طور پر آپ کی قیام گاہ پر آجایا کرتے تھے۔

ایک دن دورانِ گفتگو جالندھری صاحب حکیم صاحب سے کہنے لگے کہ آپ لوگ جو قادیانیوں کو کافر کہتے ہیں، اس کے معنی تو یہ ہوئے کہ ہماری جماعت میں موجود سینکڑوں کی تعداد میں نمازی، پرہیز گار، اللہ سے ڈرنے والے، شب زندہ دار حضرات سب کے سب جہنم میں ڈال دیئے جائیں گے، میری سمجھ میں تو یہ بات نہیں آتی۔

اس پر حکیم صاحب نے فرمایا: اگر سینکڑوں کی تعداد میں ''نیک قسم کے'' قادیانوں کا جہنمی ہونا آپ کی سمجھ میں نہیں آتا تو پھر میری سمجھ میں بھی یہ بات نہیں آتی کہ ہزاروں بلکہ لاکھوں کی تعداد میں انتہائی عابد وزاہد، پرہیز گار، اللہ سے ڈرنے والے غیر قادیانی حضرات (مسلمان) کیوں کر جہنم میں چلے جائیں گے؟ کیوں کہ مرزا صاحب کے نبی ہونے کے تو پھر یہی معنی ہوں گے۔

حکیم صاحب کے اس برجستہ جواب سے جالندھری صاحب ایسے خاموش ہوئے کہ پھر اس موضوع پر گفتگو کرنے کی کبھی کوشش نہ کی۔

۱۹۵۳ء کی تحریک ختم نبوت کے دوران بھی آپ اپنے علاقے میں بڑی سرگرمی کے ساتھ خدمات سرانجام دیتے رہے ہیں۔ (یہ تمام تفصیلات حکیم صاحب کے بیٹے جناب عبدالوحید سلیمانی اردو بازار لاہور کی معرفت معلوم کر کے قلم بند کی گئیں۔)

(۳۰)......حضرت مولانا محمد ابراہیم خادمؒ، تاندلیانوالہ:

حضرت مولانا محمد ابراہیم خادمؒ (وفات ۱۳۸۷ھ) مشہور اہل حدیث علماء میں سے ہیں۔ پنجابی زبان کے بہت عمدہ شاعر بھی تھے۔ مسلک اہل حدیث پر آپ کی کئی ایک نظمیں ہیں جو آج بھی حاضرین جلسہ کو گرما دیتی ہیں۔

فتنہ قادیانیت کی سرکوبی کے لیے بھی آپ نے اپنی شاعری کا ہتھیار خوب استعمال فرمایا ہے۔ تقریباً چھ، سات نظمیں اس موضوع پر کتابی شکل میں شائع فرمائیں، جن کے نام درج ذیل ہیں:

①...... ''مرزے دی بول گئی ککڑوں کوں'' یہ نظم تقریباً چار پانچ صفحات پر پھیلی ہوئی ہے، اس کے پہلے صفحے پر نظم کے عنوان کے ساتھ اردو کا یہ شعر بھی لکھا ہوا ہے ؎

حق پہ ہو ثابت قدم ، باطل کا شیدائی نہ ہو
گر تجھے ایمان پیارا ہے تو مرزائی نہ ہو

اسی صفحہ پر تاریخ اشاعت ۱۹۳۶ء درج ہے۔

②...... ''جھوٹے نبیاں دا فتور'' یہ نظم تقریباً آٹھ صفحات پر مشتمل ہے۔ اس کے آخر میں مرزا صاحب کے اپنے متعلق تمام دعاوی کو یکجا کر دیا گیا ہے اور ان کے لیے مرزا صاحب کی کتابوں کے نام اور صفحات کے نمبر بھی درج کر دیئے گئے ہیں۔

③...... ''کھینچواں نبی'' یہ نظم بھی آٹھ صفحات کی ہے۔

④......مرزائیت دا بستہ، ⑤......جھوٹے نبی دی خرابی۔

⑥......نکماں نبی، ⑦......عقیدے دا مسئلہ۔

یہ آخری چار نظمیں بھی تقریباً آٹھ آٹھ صفحات پر مشتمل ہیں۔

(۳۱)......حضرت مولانا محمد رفیق پسروریؒ:

مولانا محمد رفیق پسروریؒ (وفات ۱۳۹۷ھ) مشہور مناظر، اہل حدیث عالم دین تھے۔ امت کے مختلف فیہ مسائل پر بہت اچھی اور مدلل تقریر کرتے تھے۔ بولنے کے ساتھ ساتھ لکھنے کا ذوق بھی رکھتے تھے۔ تقریباً ہر اختلافی موضوع پر آپ کی کوئی نہ کوئی کتاب موجود ہے اور تقریباً ہر کتاب میں مخالفین کے لیے یہ چیلنج بھی کہ جواب دینے والے کو اتنے ہزار روپیہ دیا جائے گا۔

چناں چہ فتنہ قادیانیت کے خلاف آپ نے ''ختم نبوت'' کے

نام سے جو کتاب مرتب کی ہے اس میں بھی یہ چیلنج موجود ہے کہ جو شخص اس کتاب میں قادیانی کتب کے درج شدہ حوالوں کو غلط ثابت کرے گا اسے ایک ہزار روپیہ انعام دیا جائے گا۔ آج تک کوئی مرزائی بھی اپنے آپ کو اس انعام کا حق دار ثابت نہیں کر سکا۔

اس کتاب میں ختم نبوت کے موضوع سے متعلقہ چالیس احادیث بیان کی گئیں ہیں جن سے عقیدہ ختم نبوت کی صداقت وحقانیت پر اور مرزائیت کے دجل وفریب اور کذب وافتراء پر خوب روشنی پڑتی ہے۔

(۳۲)......حضرت مولانا عبدالقادر عارف حصاری رحمہ اللہ:

مولانا عبدالقادر عارف حصاری رحمہ اللہ (وفات ۱۴۰۱ھ) جماعت اہل حدیث کے صاحب قلم محقق، سنت کے شیدائی اور غیرتِ دینی سے سرشار عالم باعمل تھے۔ خلافِ سنت مسائل کے خلاف ہمہ وقت ''قلم بکف'' رہتے تھے۔

فتنہ مرزائیت کی تردید میں آپ نے بھی مقدور بھر حصہ لیا۔ اس کے خلاف تقریریں بھی کیں، عملی جدوجہد میں بھی شریک ہوئے اور تحریری طور پر بھی اپنے ایمانی تقاضوں کو پورا کرتے رہے۔

چناں چہ آپ احمد پور شرقیہ (بہاولپور) میں مرزائیوں کے متعلق سالہا سال تک جاری رہنے والے عدالتی مقدمے کی کارروائی میں شرکت کرتے رہے ہیں۔ اس مشہور مقدمہ میں حافظ محمد عبداللہ محدث روپڑی رحمہ اللہ بھی تشریف لے جایا کرتے تھے۔

اس کے علاوہ ''حیاتِ مسیح'' کے عنوان سے ایک انتہائی جامع اور مدلل مضمون بھی آپ کے قلم سے نکلا تھا جو ''تنظیم اہل حدیث'' میں شائع ہو چکا ہے۔

[مزید حالات کے لیے ملاحظہ ہو: الاعتصام، ۱۷ستمبر ۱۹۸۲ء، ص:۹]

(۳۳)......حضرت شیخ الحدیث مولانا عطاء اللہ حنیف رحمہ اللہ:

مولانا محمد عطاء اللہ حنیفؒ (ولادت ۱۳۲۷ھ وفات ۱۴۰۸ھ) آج کے مادہ پرست دور میں اسلاف کی سادگی کا نمونہ اور علومِ حدیث سے محدثانہ وابستگی کا قرینہ تھے۔ جدید فتنوں اور نئی گمراہیوں سے سخت متنفر اور ان کے خلاف ہمہ وقت کوشاں رہتے تھے۔ سنن نسائی کی شرح کے علاوہ اور بھی چند ایک مفید علمی کتابیں آپ کی یادگار ہیں۔

فتنۂ قادیانیت کے خلاف آپ کی خدمات بھی خاصی تابناک اور قابل قدر ہیں۔ آپ ہفت روزہ ''الاعتصام'' کے سالہا سال تک ناشر اور مدیر مسئول رہے ہیں، اس لیے اس میں قادیانیت کے خلاف چھپنے والے تمام مواد کا سہرا بھی آپ ہی کے سر ہے۔ اس کے علاوہ آپ نے مرزائیت کے خلاف اپنے مکتبہ سلفیہ کی طرف سے بھی کئی مفید کتابیں اپنی تحقیق وتصحیح اور مفید ومعلوماتی مقدموں کے ساتھ شائع فرمائیں۔ بطور مثال مولانا جعفر تھانیسریؒ کی کتاب ''تائید آسمانی''، ''تاریخ مرزا'' اور مولانا عبداللہ معمار رحمہ اللہ کی شہرۂ آفاق تصنیف ''محمدیہ پاکٹ بک'' کو دیکھا جا سکتا ہے۔

اس کے علاوہ قادیانیت کے خلاف عملی جدوجہد میں بھی آپ کی شرکت رہی ہے۔ چناں چہ آپ ۱۹۵۳ء کی تحریک ختم نبوت کے سلسلے میں قائم شدہ علمائے اسلام کی مجلس عمل کے رکن اور اس میں جماعت اہل حدیث پاکستان کے نمائندہ تھے۔ اس سلسلے میں آپ کی سنجیدگی کا مزید اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ آپ نے اپنی وفات سے چند ماہ قبل شدید بیماری کے عالم میں مولانا بٹالوی رحمہ اللہ کا مرتب کردہ ہندوستان بھر کے علماء کا وہ اوّلیں فتویٰ بڑی آب وتاب کے ساتھ شائع فرمایا، جس میں مرزا غلام احمد قادیانی کو دائرۂ اسلام سے خارج قرار دیا گیا تھا۔ اس کے آخر میں انجمن اہل حدیث وزیرآباد کی طرف سے شائع شدہ وہ فتویٰ بھی ملحق کر دیا گیا ہے، جس میں ایک تو مرزا غلام احمد قادیانی اور اس کے ماننے والوں کی تکفیر کی گئی تھی اور دوسرے ان اشخاص کے متعلق بھی یہی حکم لگایا گیا تھا جو مرزائی نہ ہونے کے باوجود مرزائیوں کی تکفیر میں تامل وتوقف کرتے ہیں۔

فتنۂ قادیانیت کے خلاف بڑے سائز کے ۱۸۸ صفحات پر مشتمل یہ انتہائی تاریخی دستاویز اور اہم فتویٰ مولانا محمد عطاء اللہ حنیف رحمہ اللہ کے قائم کردہ ادارے ''دارالدعوۃ السّلفیہ'' کی طرف سے حضرتِ مرحوم کے

حسب ایماء شائع کیا گیا ہے اور مکتبہ سلفیہ شیش محل روڈ، لاہور سے حاصل کیا جا سکتا ہے۔

اس فتویٰ کے آغاز میں مولانا کے شاگرد اور ہمارے فاضل دوست حافظ صلاح الدین یوسف حفظہ اللہ کا لکھا ہوا انتہائی معلوماتی مقدمہ بھی ہے، جس میں مولانا بٹالوی رحمہ اللہ کی شخصیت اور ان کے مرتب کردہ اس فتوے کا مختصر تعارف پیش کیا گیا ہے۔

(۳۴)......حضرت مولانا محمد حنیف ندوی رحمہ اللہ:

مولانا محمد حنیف ندوی رحمہ اللہ (ولادت ۱۳۲۹ھ وفات ۱۴۰۷ھ) (۱۹۰۸ء/ ۱۹۸۷ء) نے ابتدائی تعلیم گوجراں والا میں مولانا محمد اسماعیل سلفی رحمہ اللہ سے حاصل کی، پھر اسی سلسلے میں چار سال تک ندوۃ العلماء لکھنؤ میں بھی قیام رہا، علم تفسیر آپ کا خاص موضوع رہا۔ تمام علوم خصوصاً علومِ عقلیہ، فلسفہ وکلام ومنطق پر آپ کی گہری نظر تھی، ڈیڑھ دو درجن کے قریب نہایت علمی کتابوں کے مصنف ہیں، جن کا اسلوبِ نگارش انتہائی شستہ اور ادبی ہے۔

فتنۂ قادیانیت کی تردید میں بھی گہری دلچسپی رکھتے تھے، اس میدان میں علمی اور عملی دونوں اعتبار سے آپ کی خدمات انتہائی قابل قدر ہیں، اس سلسلے میں ایک مرتبہ علامہ اقبال سے بھی آپ نے ملاقات کی، دورانِ ملاقات ''حیاتِ مسیح'' کا مسئلہ زیر بحث رہا، علامہ اقبال آپ کی گفتگو سے بہت متاثر ہوئے اور آپ کی ذہانت کی داد دیتے ہوئے فرمایا: مولانا! آپ کو تو وکیل ہونا چاہیے تھا۔''

[تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: الاعتصام، ج:۱، شمارہ ۴۲، ص:۲۵]

ہفت روزہ ''الاعتصام'' کی ادارت کے زمانے میں آپ نے مرزائیت پر ایک نئے زاویے سے بڑے مدلل اور نہایت مؤثر مضامین تحریر فرمائے، جو اپنے مندرجات اور معنویت کے اعتبار سے جدید تعلیم یافتہ طبقے کے لیے انتہائی مفید تھے۔

بعد میں ندوی صاحب کے ان مضامین کو ''مرزائیت نئے زاویوں سے'' کے نام سے کتابی شکل میں شائع کیا گیا۔ مکتبۂ ادب ودین، گوجراں والا، لاہور کو اس کی سعادت حاصل ہوئی۔ یہ کتاب ۱۷۶ صفحات پر مشتمل ہے۔ آغاز میں خود مصنف کا لکھا ہوا ''ابتدائیہ'' اور مولانا محمد جعفر پھلواروی ندوی کا ''پیش لفظ'' ہے۔ مولانا پھلواروی کتاب کے متعلق رقمطراز ہیں:

''ان شاء اللہ یہ کتاب غلام احمدی جماعت کے سمجھ دار طبقے کو متاثر کیے بغیر نہ رہے گی۔ مولانا نے اپنی تحریر میں عام مناظرانہ انداز سے احتراز کیا ہے اور جن جن پہلوؤں پر روشنی ڈالی ہے اس کا انداز نرالا اور اچھوتا ہے، استدلال پُر زور، مزاج سنجیدہ، گرفت مضبوط اور حملہ زوردار ہے۔ نگارش کے متعلق میں خود کچھ کہنا مناسب نہیں سمجھتا۔ ''الفضل ما شهدت به الاعداء'' کی مثل ''الفضل'' نے پوری کردکھائی ہے۔ مدیر ''الفضل'' جناب تنویر صاحب اس فضل کا اعتراف فرما چکے ہیں۔'' [مرزائیت نئے زاویوں سے، ص:۱۴]

خود مصنف رحمہ اللہ نے کتاب کے ''ابتدائیہ'' میں بیان کیا ہے کہ اس کی تالیف کی دو وجہیں ہیں:

''(۱) اس لیے کہ دینی وعلمی اعتبار سے اگرچہ مرزائیت کے لیے مستقبل میں کوئی جگہ نہیں اور یہ مذہب اپنی عمر طبعی کو پہنچ چکا ہے، تاہم سیاسیات کی نئی کروٹوں نے ایک پیچیدگی ضرور پیدا کردی ہے اور وہ یہ کہ اس مسلک کو ماننے والے ایک معقول تعداد میں پاکستان میں موجود ہیں۔ وہ بظاہر پاکستان کے شہری بھی ہیں، لیکن ان کی سابقہ روایات، ان کا بے سوچ عقیدہ اور قادیان کا بھارت میں رہ جانا ایسے امور ہیں کہ ان کے پیش نظر اگر ان کی حیثیت وموقف سے متعلق ٹھیک ٹھیک فیصلہ نہ کیا گیا تو یہ پاکستان اور بھارت کی جنگ کی صورت میں، خدانخواستہ سخت مضر ثابت ہو سکتے ہیں۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ ہم جنگ نہیں چاہتے اور بھارت کی اکثریت بھی اس کی خواہاں نہیں۔ لیکن کوئی ملک بھی آج جنگ کو بالکل نظر انداز کر کے آئین کے تقاضوں سے عہدہ برآ نہیں ہوسکتا۔''

''الاعتصام'' کے شائع شدہ مضامین میں ہم نے ان کے موقف کی تشریح کی ہے اور یہ بتایا ہے کہ آئندہ آئین میں اگر انھیں اقلیت قرار دیا جائے تو اس پیچیدگی کا حل نکل آتا ہے۔ یہ مجموعہ انھیں مضامین

پر مشتمل ہے۔

''(۲) اس سبب سے بھی اس موضوع پر قلم اٹھانے کی ضرورت محسوس ہوئی، کہ اب تک جو بحثیں اس پر ہورہی تھیں، ان کا انداز بالکل مناظرانہ اور سطحی قسم کا تھا، جو باوجود تردید کے وہی ذہن پیدا کرتا تھا، جو مرزائیت کا ہے۔ ہم نے اس صورتِ حال کا جائزہ لیا اور کچھ نئے زاویوں سے اس مسئلہ پر نظر ڈالی اور بحث وفکر کی جدید روش نکالی، جس سے قارئین کرام ان تمام مُفسدوں سے بچ کر صحیح نتائج تک پہنچ سکتے ہیں، جو اتھلے مناظرانہ اندازِ بحث سے ابھرتے ہیں۔ ہمارے نزدیک مرزائیت ایک خاص طرزِ استدلال کا نام ہے، مخصوص عقیدوں کا نہیں۔ اس لیے ہوسکتا ہے کہ دیکھنے میں ایک شخص ان کی تردید میں دلائل کا انبار لگا رہا ہو، لیکن فی الحقیقت اس کے باوجود ذہن کی کیفیتوں کے اعتبار سے اس میں اور مرزائی میں کوئی فرق نہ ہو۔ ان مضامین کا مقصد اسی مرزائیت سے اس کے حامیوں اور مخالفوں کو نکالنا ہے اور دونوں کو یہ بتانا ہے کہ نبوت والہام کے تقاضے، تائید وتردید کے فرسودہ اسالیب سے قطعی مختلف اور غیر مفید ہیں۔'' [ص:۶، ۷]

اس کتاب کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے مندرجات وہ قیمتی لعل وجواہر ہیں جنھیں مصنف کی فلسفیانہ اور حکیمانہ شخصیت، فکر وخیال کے سمندر کی اتھاہ گہرائیوں سے ڈھونڈ کر لائی ہے اور پھر ساتھ ہی عام قاری کو اپنی علمی کم مائیگی کا احساس بھی ہوتا ہے۔ کیوں کہ وہ بعض مقامات پر ان گہرائیوں تک اُتر نہیں پاتا جن تک مصنف اسے اتارنا چاہتا ہے۔ کتاب کی اس ٹھوس علمی اور باوقار حیثیت کے پیشِ نظر نامناسب نہ ہوگا اگر ہم اس کے وقیع مندرجات سے بالاختصار استفادہ کرتے چلیں۔

<u>ختم نبوت اور اس کے حدودِ اطلاق:</u> کتاب کا یہ سب سے پہلا اور اہم ترین عنوان ہے، اس کے تحت کئی اساسی اور اصولی قسم کے مباحث مصنف کے قلم گوہر رقم سے نکلے ہیں۔ اس میں سب سے پہلے تو یہ حقیقت بیان کی گئی ہے کہ اختلافی مسائل میں صحیح نتیجے تک پہنچنے کے لیے فکر واستدلال کے تین اصول پیشِ نظر رکھنے ضروری ہیں۔ پہلا اصول یہ ہے کہ انسان مناظرانہ ذہنیت سے محفوظ ہو، دوسرا یہ کہ جس اہم مسئلے پر غور کیا جائے اس کے پورے متعلقات کو بیک وقت زیرِ نظر لایا جائے اور تیسرا اصول یہ کہ دعویٰ اور دلیل میں مطابقت ہونی چاہیے۔

پہلے اصول کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''مناظر میں سب سے بڑا نقص جو پیدا ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ وہ باوجود ذہانت اور جودتِ طبع کے کبھی اس لائق نہیں ہو پاتا کہ دین کے مزاجِ کلی پر غور کرسکے، دین کے مصالح پر نظر ڈال سکے کہ اس کے اصول وبنیادی تقاضے کیا ہیں؟ اس کے الٰہیات، اخلاق، عبادات اور معاشرتی واقتصادی نقشے انسان کو کس منزل کی طرف لے جاتے ہیں؟ اس کے ماننے سے کس نوع کا طبقہ ظہور پذیر ہوتا ہے؟ کس طرح کے اخلاق سے انسان آراستہ ہوتا ہے اور عادات وعوائد میں کیا تغیر رونما ہوتا ہے؟ وہ کیا سلجھاؤ اور شائستگی ہے جو اس کا مایہ افتخار ونازش ہے؟ یعنی مذہب کا وہ جمال اور حسن جو اس کی بنیاد اور اساس ہے، مناظر کی نظر سے اوجھل رہتا ہے، اس کی نظر میں ایک طرح کی ٹیڑھ اور کجی پیدا ہوجاتی ہے، جس کے سبب سے جزئیات کی ٹٹول اور جستجو میں لگا رہتا ہے اور اصول اس کی نظر سے مخفی رہتے ہیں۔'' [ص:۲۳]

''اس ذہنیت کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ نظر کی جزئیت کی وجہ سے اسلام پر جب غور کرے گا تو جزئی حیثیت سے اگر وہ معتزلی ہے تو دیکھے گا کہ کن کن آیات سے اعتزال کی تائید ہوتی ہے۔ ارجاء کا قائل ہے تو سارا زور اس پر لگائے گا کہ ارجاء کی آیات تلاش کی جائیں۔ اسی طرح جبری یا قدری ہے تو اپنے ڈھب کی آیتیں دکھلائے گا۔ اس کو اس سے کچھ مطلب نہیں ہوگا کہ اسلام بحیثیت مجموعی ہم سے کیا چاہتا ہے۔'' [ص:۲۴]

''جب مناظرہ کی غرض وغایت یہ قرار پائے کہ مخالف پر کیوں کر فتح حاصل ہوسکتی ہے، تو اس کا مزاج دعوتِ دینی کے مزاج سے بالکل مختلف ٹھہرے گا۔ کیوں کہ دین تو یہ چاہتا ہے کہ خطاب میں ایسی مؤثریت، ایسی شیرینی، ایسی مٹھاس اور جاذبیت ہو کہ سننے والا اثر

قبول کر کے رہے اور مناظرہ کے تیور اس بات کے متقاضی ہوں گے کہ اس میں جنگ کا دم خم ہو، جنگ کا سا ادعاء اور للکار ہو۔'' [ص:۳۰]

''مذہب کے معاملہ میں بسا اوقات ہار جانا فتح کا مترادف ہوتا ہے، اسی طرح اپنی غلطی نہ صرف تسلیم کرنا پڑتی ہے بلکہ غلطی پر متنبہ کرنے والے کا شکریہ ادا کیا جاتا ہے اور مناظر ہمیشہ معصوم ہوتا ہے، اس سے یا تو کبھی لغزش سرزد ہی نہیں ہوتی اور یا پھر اس لغزش کا اخفاء ضروری ہوتا ہے۔'' [ص:۳۱]

''ہم جو مسائل کے فہم میں یہ سمجھتے ہیں کہ پہلے مناظرانہ اثرات سے دماغ کو پاک کرلیا جائے، تو یہ بالکل وہی حقیقت ہے جسے قرآن ''شہادتِ قلب'' سے تعبیر کرتا ہے:

﴿ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَذِكْرٰى لِمَنْ كَانَ لَهٗ قَلْبٌ اَوْ اَلْقَى السَّمْعَ وَهُوَ شَهِيْدٌ ﴾

''اس میں یقیناً نصیحت کی بات ہے لیکن اس شخص کے لیے جس کے پہلو میں دل ہے یا جو توجہ سے سنتا ہے اور اس کا دل اس پر شاہد ہے۔'' [ص:۳۳]

دوسرے اصول (یعنی مسئلہ زیرِ غور کے تمام متعلقات کو بیک وقت زیرِ نظر لایا جائے) کی توضیح میں آپ فرماتے ہیں:

''یعنی دلائل و مؤیدات کے پورے پھیلاؤ کو پہلے اپنے سامنے لائیے، پھر یہ دیکھئے کہ اب آپ کے تاثرات کیا ہیں؟ یقیناً اس طرح کا یہ تاثر اس تاثر سے بالکل مختلف ہوگا جو اس ترتیب کو ملحوظ نہ رکھنے سے پیدا ہوتا ہے۔ یوں ایک شبہ جو ایک جگہ ابھرتا ہے، دوسری جگہ زائل ہوجائے گا۔ یہی حال احادیث کا ہے کہ ان کو ساتھ ساتھ رکھنے سے شک وشبہ کی تمام گنجائشیں ختم ہوجاتی ہیں۔''

''اس سلسلہ میں مناظروں کا عامۃ الورود دھوکہ یا گھپلا یہ ہوتا ہے کہ اس تاثر کو وہ زائل کریں جو تصویر کے پورے رخوں کو دیکھنے سے پیدا ہوا ہے۔ یعنی ایک ڈاکو کی طرح جو بھیڑ اور ہجوم سے بچتا ہے اور اکے دکے مسافر پر حملہ کرتا ہے، یہ (مناظر) صرف ایک آیت کو بحث کے لیے چنتے ہیں اور ایک حدیث کو مجموعی تاثر سے الگ کر کے حملہ آور ہوتے ہیں۔ جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ذہن میں چوں کہ مسئلہ کے تمام پہلو نہیں رہتے اس لیے کمزور عقل اور تھوڑے علم کا آدمی آسانی سے ان کی تاویلات کا شکار ہوجاتا ہے۔'' [ص:۳۹،۴۰]

تیسرے اصول (یعنی دعویٰ اور دلیل میں مطابقت ہونی چاہیے) کی تشریح کرتے ہوئے آپ نے مولانا ابوالکلام کے حامیوں اور قائداعظم کے ماننے والوں کے طرزِ استدلال کو بطورِ مثال پیش فرمایا ہے۔ آپ فرماتے ہیں:

''مولانا کے حامی یہ کہتے تھے کہ انگریزی دان حضرات کو اسلامی مزاج سے کیا مناسبت؟ اور لیگ سے وابستہ اس الزام کا یوں جواب دیتے تھے کہ یہ مانا ابوالکلام آزاد بڑا دقیقہ رس عالم ہے۔ مگر یہ سیاسیات کا خارزار ہے۔''

''غرض یہ نہیں کہ دونوں کو حق بجانب ٹھہرایا جائے یا دونوں کی غلطی پکڑی جائے۔ بتلانا یہ مقصود ہے کہ دونوں گروہوں کے طرزِ استدلال میں جو منطقی غلطی تھی وہ یہی تھی کہ ان کا دعویٰ تو مخصوص اور متعین تھا لیکن دلیل کی بناوٹ میں عموم کو زیادہ دخل تھا۔'' [ص:۴۱]

ان تمہیدی اصولوں کی وضاحت کے بعد آپ نے ختم نبوت سے متعلقہ تمام آیات واحادیث کو یک جا کر کے ثابت فرمایا ہے کہ ان تمام پر ایک دم نظر ڈالنے سے وہ تمام تاویلات اور شکوک وشبہات یکسر ختم ہوجاتے ہیں جو قادیانیوں کی طرف سے مختلف انداز میں پھیلائے جاتے ہیں۔

قادیانی حضرات کی طرف سے اجرائے نبوت کے سلسلے میں بعض صوفیاء کی سیاق وسباق سے ہٹی ہوئی عبارتیں بھی پیش کی جاتی ہیں۔ اس پر بحث کرتے ہوئے مولانا نے پہلے تو صوفیاء (عبدالوہاب شعرانی وغیرہ) کے تصورِ ولایت ونبوت کی وضاحت کی ہے اور پھر بعد میں محاکمہ کرتے ہوئے اپنی رائے کا اظہار یوں فرمایا ہے:

''ولایت ونبوت میں جو فرق ہے وہ اس طرح کا نہیں ہے جیسے ایک عالم اور حکیم میں ہوتا ہے یا فقیہ و مجتہد میں ہوتا ہے، بلکہ وہ نوعیت کا ہے مدارج کا نہیں۔ نبوت کا ماخذ منشاءِ الٰہی ہے۔

﴿ وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى o اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْیٌ يُّوْحٰی ﴾

اور ولایت کا ماخذ کتاب وسنت ہے اور وہ واردات واحوال جن کو الہامات ووحی سے تعبیر کرتے ہیں ایسے نہیں ہیں کہ ان پر وثوق کیا جاسکے۔ کیوں کہ یہاں یہ احتمال برابر کھٹکتا ہے کہ دل تک وحی والہام کی لہروں اور موجوں کو لے جانے والے کہیں یہ خود حضرتِ دل ہی نہ ہوں۔ کہیں یہ وجدان کی کارفرمائی نہ ہو کہ کشوف کا ایک سلسلہ قائم ہے۔ دل کی پہنائیاں اس درجہ وسیع اور نا قابل فہم ہیں کہ یہ سب کچھ ممکن ہے۔ یہی وجہ ہے کہ خود صوفیائے کرام نے اپنے الہامات کو دوسروں کے لیے حجت نہیں ٹھہرایا۔'' [ص:٧٦،٧٧]

پھر اس کے بعد ''ظلی نبوت کا تصور کیوں کر پیدا ہوا'' کے ذیلی عنوان کے تحت آپ نے اس حقیقت کی نقاب کشائی کی ہے کہ مرزا صاحب کے ذہن میں یہ تصور، تصوف کی راہوں اور بائبل کے مطالعہ سے پیدا ہوا۔ بائبل کا تصورِ نبوت قرآن کے تصورِ نبوت سے یکسر مختلف ہے۔ بائبل میں تو طلباء کو بھی انبیاء کے لقب سے نواز دیا جاتا تھا، جو ایک مسیحی تبلیغی مدرسہ ''الرامہ'' سے فارغ التحصیل ہوجاتے تھے۔

آگے چل کر مولانا نے یہ بھی ثابت فرمایا ہے کہ دین اسلام کے مکمل ہوچکنے کے بعد اجرائے نبوت کا تصور اور نئی نبوت کی ضرورت کا عقیدہ ویسے ہی بے معنی ہوکر رہ جاتا ہے۔

اس کے بعد ایک انتہائی اہم ذیلی عنوان ''دوسرا محاذ'' کے تحت آپ نے شیعیت اور اس کے پس منظر پر روشنی ڈالی ہے۔ یہ سارا حصہ اس قابل ہے کہ ہر ہر مسلمان کو اس کا مطالعہ کرایا جائے۔ اس میں شیعہ کا تصورِ امامت، عصمت ائمہ کا عقیدہ وغیرہ انتہائی خوب صورت انداز میں زیر بحث لایا گیا ہے اور ثابت کیا گیا ہے کہ یہ لوگ بھی امامت کے نام پر اجرائے نبوت کے قائل ہیں۔ بلکہ راقم کے خیال میں بہت ممکن ہے کہ شیعہ کے تصورِ امامت ہی سے مرزا صاحب میں تحریک ہوئی ہو کہ وہ اپنی نبوت کا ڈھونگ رچائیں۔

مولانا ندوی رحمہ اللہ شیعہ کے تصورِ امامت کے متعلق رقمطراز ہیں:

''ختم نبوت کے متعلق ایک محاذ تو ان لوگوں کا تھا جو کھلے بندوں آنحضرت ﷺ کے بعد اجرائے نبوت کے قائل تھے۔ ان سے متعلق ہمیں جو کچھ کہنا تھا کہہ چکے۔ ایک دوسرا محاذ ہے جن سے نبٹنا آسان نہیں۔ کیوں کہ یہ لوگ بظاہر ختم نبوت کے قائل ہیں۔ لیکن عقیدہ وعمل کے اعتبار سے ان میں اور دوسرے گروہ میں ہمیں غور وفکر کے بعد کوئی فرق نظر نہیں آتا۔ اس اجمال کی تفصیل معلوم کرنا ہو تو حضرات تشیع کا جو عقیدہ ائمہ اطہار سے متعلق ہے اس پر غور فرمائیے۔ اس سلسلے کی پہلی بات جس سے نبوت وامامت کے ڈانڈے ملے ہوئے محسوس ہوتے ہیں، یہ ہے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ کا لطف وکرم اس بات کا مقتضی ہے کہ انسانی ہدایت کے لیے انبیاء علیہم السلام کو بھیجے، اسی ڈھنگ کا ایک سلسلہ امامت کا ہے جسے حفظ دین کی خاطر مقرر کیا گیا ہے۔ اس لیے اس کا جاری رکھنا بھی اس کے لطف وکرم کے لیے اتنا ہی ضروری ہے۔ پھر جس طرح پیغمبر معصوم ہوتا ہے، اسی طرح یہ بھی واجبات سے ہے کہ امام بھی معصوم ہو۔'' [ص:١٠٤]

''حقیقتِ غور طلب یہ ہے کہ معصوم امام مفترض الطاعۃ بھی ہوتا ہے۔ اب اگر تین باتوں کو باہم ملایئے گا تو نتیجہ میں جو شے سامنے آئے گی وہ یہ ہے کہ نبوت کے ساتھ ساتھ حضرات شیعہ کے نزدیک ایک بالکل متوازی نظام امامت کا بھی جاری ہے۔'' [ص:١٠٥]

''اب اگر ایک گروہ یہ مانتا ہے کہ ختم نبوت سے صرف اتنا ہی ہو پایا ہے کہ لفظ نبوت کا اطلاق کسی دوسرے پر نہیں ہوسکے گا، لیکن آنحضرت ﷺ کے بعد ایک دوسرے نام سے رشد وہدایت کا یہی سلسلہ جاری رہے گا اور اس کا ماننا اور تسلیم کرنا ہمارے لیے اتنا ہی ضروری ہوگا جتنا سلسلۂ ختم نبوت کا، تو واقعہ وعمل کے اعتبار سے اجرائے نبوت اور اجرائے امامت میں کوئی فرق نہیں رہتا۔'' [ص:١٠٦]

''امامت ونبوت میں جو فرق حضراتِ شیعہ کے یہاں ہے وہ نام اور چھاپ کا تو ضرور ہے، حقیقت ومعنی کا ہرگز نہیں۔'' [ص:١٠٧]

''کوئی انسان معصوم نہیں ہوسکتا'' کے عنوان کے تحت آپ فرماتے ہیں:

''اسلامی نقطۂ نظر سے بجز انبیاء علیہم السلام کے ہر ہر شخص گناہ ومعصیت

کی دلآویزیوں پر ریجھ سکتا ہے۔ کچھ تو اس لیے کہ اسے عقل وخرد کی جو حقیر پونجی دی گئی ہے وہ گناہوں سے نبردآزما ہونے کی صلاحیتوں سے یک قلم محروم ہے اور کچھ اس لیے کہ الہام ووحی کی روشنی کے بغیر خود عقل نامکمل اور ناقص ہے۔'' [ص:۱۰۸]

''لہٰذا کسی انسان کو جب تک اس کا مزاجِ بشری یہی ہے، معصوم ٹھہرانا قطعی غیر عقلی اور غیر اسلامی ہے۔ انبیاء علیہم السلام کے باب میں عصمت کا ماننا تو اس لیے درست ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کا اہتمام فرمایا ہے کہ انھیں فکر وعمل کی کسی لغزش پر قائم نہ رہنے دیا جائے۔ لیکن ائمہ کے باب میں اس ڈھنگ کے اہتمام کا کہیں ذکر نہیں۔'' [ص:۱۰۵]

''عصمت ائمہ کا عقیدہ کیوں کر پیدا ہوا؟'' کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

''تاریخ کے اس موڑ پر ایران کی مغلوب مجوسیت اور کچلی ہوئی یہودیت میں سازش ہوئی اور یہ طے کیا گیا کہ اسلام سے اس کے غلبہ وتفوق کا انتقام لینا اس طرح ممکن ہے کہ آپس کے اس اختلاف (اموی، عباسی اختلاف) کو اپنایا جائے۔ اس میں اپنا مخصوص عقیدہ اور روح داخل کی جائے اور اس کو ایسی شکل میں ڈھالا جائے کہ بظاہر یہ اسلام کا ایک فرقہ ہی رہے۔ مگر اسلام کی کوئی ادا اور اسلام کا کوئی حسن اس میں باقی نہ رہے۔ یعنی اس کے عقیدوں کے محور یک قلم بدل دیئے جائیں۔ اس میں اطاعت ومحبت کی سمتیں بھی از سر نو متعین ہوں اور ایک ایسا متوازی نظام تجویز کیا جائے جو بتدریج اثرات ونتائج کے اعتبار سے اسلام کا حریف اور مدمقابل ثابت ہو سکے۔

ہمیں یہ مان لینا چاہیے کہ یہ سازش کامیاب رہی۔ اسلامی تاریخ کا معمولی طالب علم بھی جانتا ہے کہ اسلام اور مسلمانوں پر جو جو آفتیں آئیں ان کی تہہ میں یہی تصور کارفرما تھا جس کو مجوسیت اور یہودیت نے پیدا کیا۔'' [ص:۱۱۱، ۱۱۲]

''اگر آپ شیعہ کتب وروایات کا مطالعہ کریں گے تو ایک چیز جو آپ کی توجہ کو اس طرف موڑے گی وہ یہ ہوگی کہ یہاں خدا ورسول کو وہ اہمیت حاصل نہیں ہے جو ائمہ کو ہے۔ یہاں فضائل ومناقب اور معجزات وکرامات اور اختیارات وعلوم کی فراوانیاں کچھ اس طرح کی سی ہیں کہ نبوت ورسالت کی کور بہرا آئینہ دبتی ہوئی نظر آئے گی اور یوں معلوم ہوگا کہ امام حسین اور ائمہ اہل بیت کے مقابلہ میں معاذ اللہ! یہ دوسرے درجے پر ہیں۔'' [ص:۱۱۲]

''عصمتِ ائمہ کے عقیدے کو ماننے کی ضرورت یوں بھی محسوس ہوئی کہ شیعہ حضرات چوں کہ اصولاً ان ذرائع ہی کے قائل ہیں جن سے احادیث کا بہت بڑا ذخیرہ ہم تک منتقل ہوا۔ مزید برآں ان کے ہاں ہمیشہ سیاسی خلفشار میں رہنے کی وجہ سے کوئی سلسلۂ روایت مرتب نہ ہو سکا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک پھیلا ہوا ہو اور جس کی ایک ایک کڑی نقادانِ فن کے سامنے ہو، اس لیے مرویات کے اس نقص کو چھپانے اور جرح ونقد کے تیز کانٹوں سے بچنے کے لیے عصمت ائمہ کا ایک عقیدہ گھڑا گیا۔ تاکہ جب بات ان کی طرف منسوب ہو جائے تو اس پر کوئی رائے زنی نہ ہو سکے اور چپ چاپ سے مان ہی لیا جائے۔'' [ص:۱۱۴]

اس حصے کے آخر میں آپ فرماتے ہیں کہ مرزا صاحب نے اپنے طویل وعریض لٹریچر میں کوئی ایسی چیز پیش نہیں کی جو اہل علم کے لیے کسی قسم کی جاذبیت رکھتی ہو یا مسلمانوں کے تنزل وپستی کا مداوا ہی ہو سکے۔ بلکہ اس میں جو کچھ ہے اسے تین لفظوں میں یوں بیان کیا جا سکتا ہے کہ دعاوی، پیش گوئیاں اور ان کو حق بجانب ثابت کرنے کی ناکام کوشش اور بس۔

<u>**کیا قادیانی الگ قوم ہیں؟**</u> یہ کتاب کا دوسرا بڑا اور اہم ترین عنوان ہے۔ اس میں بتایا گیا ہے کہ قوم کے معنی کیا ہوتے ہیں اور کن عناصر سے مرکب ہوتی ہے؟ اس میں علمی انداز سے یہ ثابت کیا گیا ہے کہ قادیانی واقعی مسلمانوں سے الگ ایک قوم ہیں اور ان کا اپنے آپ کو مسلمانوں میں شمار کرنا اور دیگر اسلامی فرقوں کی طرح خود کو ایک فرقہ باور کرانا فریب اور دھوکہ ہے۔

<u>**آئندہ دستور میں مرزائیوں کی جگہ:**</u> یہ کتاب کا تیسرا بڑا عنوان ہے۔ اس میں آپ نے انتہائی سنجیدگی سے یہ رائے ظاہر کی ہے کہ قادیانی حضرات کو پاکستان کے آئندہ دستور میں اقلیت کے طور پر جگہ

ملنی چاہیے۔ مولانا ابوالکلام آزاد کی اس رائے پر کہ ''قادیانیوں کو بہرحال مؤولین ہی میں شمار کرنا چاہیے۔'' آپ فرماتے ہیں:

''ہمیں مولانا ابوالکلام آزاد رحمہ اللہ کی رائے سے اتفاق نہیں ہے کہ تاویل کے ہر ہر مرتبہ کا ایک ہی حکم ہو۔ تاویل کی اصطلاح میں اتنی لچک نہ ہونا چاہیے کہ اسلامی مزاج ونصوص کی صریحاً مخالفت کے باوجود کوئی گروہ اسلام کے دائرے سے نہ نکل سکے۔ اگر تاویل کے مراتب مختلفہ کا لحاظ کیے بغیر اس کی ہر ہر صورت کو جائز گوارا کیا گیا تو پھر انکار وارتداد کی ضرورت ہی باقی نہ رہے گی۔

فرض کیجیے ایک شخص غیر اللہ کی پوجا کرتا ہے اور اس شرکِ خالص کے لیے اس سے استدلال کرتا ہے کہ خود اللہ نے اپنے لیے جمع کے صیغوں کو اور جمع کے ضمائر کو استعمال کیا ہے۔ لہٰذا ضرور اسلام میں شرک کی گنجائش موجود ہے، تو اسے جائز تاویل نہیں کہا جائے گا۔ اسی طرح اگر کوئی شخص ﴿ كُونُوا قِرَدَةً خَاسِئِينَ ﴾ سے تناسخ پر استدلال کرتا ہے، یا بہائیوں کی طرح آیاتِ قیامت کی تاویل کرتا ہے، تو اس کے کفر میں کوئی شبہ نہیں رہتا۔'' [ص:۱۲۵]

اس کے بعد یہ نکتہ اٹھا کر کہ جس طرح یہودیت وعیسائیت بعض عقائد میں اشتراک کے باوجود دو الگ الگ مستقل مذہب ہیں، اسی طرح قادیانیت بھی بعض اسلامی عقائد میں اشتراک کے باوجود اسلام سے الگ ایک مستقل مذہب ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ پہلے دونوں مذاہب کے بانی اللہ کے سچے نبی تھے اور اس قادیانیت کا باقی ایک جھوٹا نبی ہے، آپ یہ مشورہ دیتے ہیں:

''ہماری رائے میں خود قادیانیوں کو اس بات پر اصرار نہیں کرنا چاہیے کہ وہ مسلمانوں کی ایک شاخ ہیں۔ کیوں کہ وہ خود ایسا نہیں سمجھتے۔ یہی سبب ہے کہ وہ دیانتداری سے عام مسلمانوں کے ساتھ رشتہ داری کو ممنوع گردانتے ہیں، ان کے پیچھے نماز نہیں پڑھتے اور ان کے جنازوں میں شریک نہیں ہوتے۔ لہٰذا خود ان کے لیے یہی مناسب ہے کہ یہ ایک قوم کی حیثیت سے پاکستان میں رہیں۔ اقلیت کی یہ رعایت بھی ان کے لیے بس ایک ناگزیر رعایت ہے جو حالات کی مجبوریوں سے دی گئی ہے، ورنہ خالص اسلامی طرزِ عمل تو وہی ہے جو حضرت ابوبکر نے مرتدین کے مقابلہ میں اختیار کیا۔ یہاں کی ریاست چوں کہ مشترکہ جدوجہد کے اصول پر منصۂ شہود پر آئی ہے، اس لیے قانون مجبور ہے کہ انھیں شہریت کے تمام حقوق بخشے اور ان کی حفاظت کرے۔'' [ص:۱۲۷]

<u>لطیفہ:</u> مولانا ندوی رحمہ اللہ کی یہ تحریریں بہت پرانی ہیں۔ پاکستان میں قادیانیوں کو ۱۹۷۴ء کی تحریک ختم نبوت کے نتیجے میں اقلیت قرار دیا جا چکا ہے۔ گویا مولانا ندوی کی قادیانیوں کے اقلیت قرار دیئے جانے کی آرزو یا پیشین گوئی حرف بحرف پوری ہو چکی ہے۔ اس صورتِ حال کے پیشِ نظر قادیانی حضرات کو ہم یہ مشورہ دیں گے کہ وہ ندوی صاحب کو بھی اپنا ''نبی'' تسلیم کر لیں۔ بلکہ ہمارے خیال میں انھیں آپ کا ''نبی'' ہونے کا زیادہ استحقاق حاصل ہے۔ اس لیے کہ ان کی پیشین گوئی بلا تاویل پوری ہو چکی ہے، جب کہ مرزا صاحب کو اپنی پیشین گوئیاں سچی ثابت کرنے کے لیے کئی قسم کی تاویلات کا سہارا لینا پڑتا تھا۔ ع: جادو وہ جو سر چڑھ کر بولے۔

<u>پیغمبر مناظر نہیں حکیم ہوتا ہے:</u> اس مبحث میں ضمناً مذہب کے متعلق یہ انتہائی قیمتی نکتہ بیان ہوا ہے کہ

''یہ تو اس وقت تک زندہ رہتا ہے جب اس کی حیثیت ایجابی اور جارحانہ ہو، جب یہ زمانہ کے اغلاط پر اہل زمانہ کو ٹوکے، نظری وعملی گمراہیوں پر ڈانٹے اور خود اعتدال وعقل میں سمویا ہوا زندگی کا ایک ڈھب پیش کرے۔ ورنہ علم کلام کی لیپا پوتی اور نئے نئے تصوراتِ حیات کی تائید ونصرت اس کی گرتی ہوئی دیواروں کو نہیں بچا سکتی۔ مذہب جب تک آگے رہتا ہے زندہ رہتا ہے اور جہاں اس کی حیثیت ثانوی ہوئی ختم ہو گیا۔ یہ قائد بن کر دنیا میں آتا ہے اور اپنی قیادت سے عمر بھر دستبردار نہیں ہوتا۔ اس کی غیرت وخودداری تتبع واطاعت کی ذلتیں کبھی برداشت نہیں کر سکتی۔'' [ص:۱۳۹]

اس کے بعد مناظرے کی قباحتوں پر مختصر روشنی ڈال کر آپ فرماتے ہیں:

''مرزا صاحب کا سب سے بڑا تحفہ کیا ہے جو انھوں نے ہمیں مرحمت فرمایا۔ یہی ''مناظرہ'' یعنی پوری قوم لال کتاب ہاتھ میں لیے ایک دنیا سے دست وگریبان ہے۔ حوالہ سے حوالہ اور ورق سے ورق ٹکرا رہا ہے۔ انبیاء کا ورثہ یقیناً یہ حقیر چیزیں نہیں ہوسکیں۔ وہ جو کچھ چھوڑ کر جاتے ہیں وہ ذہنوں کی بالیدگی ہوتی ہے، فکر کا سلجھاؤ ہوتا ہے اور عمل کی پاکیزگی۔ مناظرہ، معذرت طلبی اور بحث وجدل کی قیل وقال سے ان کی تبلیغی سطح کہیں بلند ہوتی ہے۔'' [ص:۱۴۰]

اللہ کا معیارِ انتخاب: اس میں آپ نے یہ واضح کیا ہے کہ نبی جس طرح اہل زمانہ سے دیگر صلاحیتوں میں ممتاز ہوتا ہے، اسی طرح اس کی فصاحت وبلاغت اور حسن بیان کی قدرت بھی سب سے زیادہ نمایاں ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس کے ماننے والوں کا ادبی ذوق بھی بہت بلند ہوتا ہے۔ آج اگر دنیا بھر کا جائزہ لیا جائے تو اسلامی لٹریچر میں جو جمال ورعنائی اور خوبیاں پائی جاتی ہیں وہ کہیں نہیں ملیں گی۔ اس تمہیدی نکتے کے بعد آپ فرماتے ہیں:

''اس صدی میں جب ایک شخص ادعائے نبوت کے ساتھ ہمارے سامنے آئے گا۔ ہماری کم سے کم توقعات اس سے جو ہوں گی وہ یہ ہوں گی کہ اس نے اگرچہ قوم کے سامنے کوئی لائحہ عمل نہیں رکھا، زمانے کے مسائل کو نہیں سمجھا، موجودہ تقاضوں پر نظر نہیں ڈالی، سیرت، عمل کے اعتبار سے کوئی بلند تر نمونہ نہیں چھوڑا۔ کم از کم اتنا تو کیا ہوتا کہ ابوالکلام کا ''الہلال'' اس کے جمالِ ادبی کے سامنے گہنا جاتا، حالی کا وہ ''مسدس'' جو نصف صدی سے گونج رہا ہے، خاموش ہوجاتا اور حکیم الامت ڈاکٹر اقبال کی شاعری اس کی چاکری کرتی۔ یہ کیا مذاق ہے کہ ''براہین احمدیہ'' شب ہجراں سے بھی زیادہ طویل ہونے کے باوجود ایک پیرا، ایک جملہ ایسا نہیں رکھتی کہ جس سے ذوق کی تسکین ہوسکے۔ کیا یہی نبوت ہے؟ کیا اللہ تعالیٰ کا معیار بھی، معاذ اللہ بدلتا رہتا ہے! یعنی یا وہ زمانہ تھا کہ ''زبور'' عطا کرتا تھا، جس سے پہاڑوں کے کلیجے متاثر ہوتے، طیور اس کے نغموں پر سر دھنتے، وہ انجیل اتارتا کہ جس سے یونانی ورومی اپنی حکمت وفلسفہ بھول جاتے اور ان لوگوں کے پیچھے ہولیتے جنھوں نے کہیں تعلیم نہیں پائی۔ قرآن میں ادب کے اُن اُن معجزات کو نازل فرماتا کہ مخالفین بھی سنتے تو رقت طاری ہوجاتی۔ ﴿تَفِيضُ أَعْيُنُهُمْ مِنَ الدَّمْعِ﴾ اور اب یہ حال ہے کہ ''خاکسار پیپرمنٹ'' اور ''کمترین کا بیڑا غرق'' ایسے عجائب سے نوازا جارہا ہے؟''

[ص:۱۴۶]

کیا یہ پیغمبر ہے؟ یہ بھی کتاب کا ایک انتہائی اہم اور بالکل اچھوتا عنوان ہے۔ اس میں فاضل مصنف نے مرزا صاحب کا نفسیاتی لحاظ سے جائزہ لینے کی کوشش کی ہے۔ مرزا صاحب نے اپنی کتاب ''نور الحق'' میں پادری عماد الدین کی خرافات کا جواب دیتے ہوئے اسے ملعون قرار دیا ہے اور اس ملعون قرار دینے کی نوعیت انتہائی مضحکہ خیز ہے۔ مرزا صاحب نے لعنت لعنت کی جو گردان شروع کی تو اس کا نمبر پورے ہزار تک جا پہنچایا۔ یعنی باقاعدہ ایک ہزار مرتبہ گن کر اور اس پر نمبر ڈال کر لعنت کا لفظ لکھا۔ اس پر مولانا ندوی رحمہ اللہ رقمطراز ہیں:

''یہ وہ حرکت ہے جو نفسیات کا دلچسپ موضوع بن سکتی ہے اور جس سے مرزا صاحب کی نفسیات کا تجزیہ ہوسکتا ہے۔ اس سے پہلی بات تو یہ معلوم ہوتی ہے کہ لکھنے والے کی طبیعت میں گھٹیا پن ہے، یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ظرف عالی نہیں اور اس کا بھی اندازہ ہوتا ہے کہ یہ شخص دماغی توازن کھو بیٹھا ہے۔ مرزا صاحب کی اس حرکت سے دشمن کو تکلیف تو کیا پہنچے گی، البتہ وہ ان کی اس خفیف الحرکتی پر الٹا ہنسے گا کہ عجب مسخرے سے پالا پڑا ہے کہ جس کو گالی دینا بھی نہیں آتا۔ گالی میں اتنی جان تو ہو کہ اس کو ہزار مرتبہ دہرانا نہ پڑے۔'' [ص:۱۵۲]

دو مختلف دعوے: اس میں مصنف نے یہ حقیقت بیان کی ہے کہ آج تک اللہ کے جتنے پیغمبر ہوئے ہیں، سب کے سب اپنے متعلق نبوت ورسالت کا دوٹوک اور غیر مبہم دعویٰ کرتے رہے ہیں۔ البتہ مرزا صاحب واحد شخص ہیں جنھیں اپنے منصب کی صحیح نوعیت ہی معلوم نہیں۔ کبھی مجدد بن جاتے ہیں اور کبھی نبی۔ مرزا صاحب کی اس تلون مزاجی پر ندوی صاحب کا تبصرہ ملاحظہ ہو:

''بات یہ ہے کہ مرزا صاحب لہری آدمی تھے، جب کبھی خوش

فہمیوں نے زور مارا تو نبوت کے فرازِ اعلیٰ تک اُچھل گئے اور پیغمبرانہ بلندیوں تک کو چھو آئے اور جب دماغ متوازن ہوا اور مور کی طرح اپنے پیروں پر نظر پڑی تو عاجزی کی لہر طاری ہوگئی اور آپ نے یہ کہنا شروع کیا کہ توبہ توبہ میں نے نبوت کا ادعا کب کیا ہے، میں تو صرف آنحضرت ﷺ کا امتی ہوں اور سوا تجدید کے کسی شی کا مدعی نہیں۔ سوال یہ ہے کہ جس شخص کے ذہن میں الجھاؤ ہو، جو خود اپنے منصب سے متعلق یقین کے ساتھ کوئی رائے نہ رکھتا ہو اور جو بیک وقت متضاد دعاوی کی رٹ لگاتا ہو، کیا ایسا شخص ذہنوں میں کوئی سلجھاؤ پیدا کرسکتا ہے؟ کیا اس کے ماننے سے دماغوں میں روشنی کی کوئی کرن آسکتی ہے؟'' [ص:۱۵۷]

نبوت سے دست برداری: یہ اس کتاب کا آخری عنوان ہے۔ اس میں فاضل مصنف نے اس حقیقت کو کھول کر بیان کیا کہ سچائی جب کسی کے دل میں جاگزیں ہوجاتی ہے تو بزدلی اور خوف وہراس کے لیے وہاں کوئی جگہ نہیں رہتی اور اللہ کے سچے پیغمبروں کے لیے تو بڑے سے بڑا خوف بھی حق وصداقت کے اظہار میں رکاوٹ نہیں بنتا۔ مگر مرزا صاحب کی شان ہر بات میں نرالی ہے:

''ایک مرتبہ جب مرزا صاحب موت وہلاکت کی پیشین گوئیاں بانٹ رہے تھے اور از راہِ نبوت خود ہی ان کی تکمیل کے سامان بھی مہیا کررہے تھے، مخالفین نے مسٹر ڈوئی کی عدالت میں مقدمہ دائر کردیا کہ انھیں اس بلیک میلنگ سے روکا جائے۔ مرزا صاحب کو یہ معلوم ہوا تو اوسان کھو بیٹھے اور خواجہ کمال دین کی موجودگی میں نبوت سے دستبردار ہوگئے۔ آپ نے اقرار کیا کہ میں آئندہ اس ڈھنگ کی کوئی پیشین گوئی شائع نہیں کروں گا جو کسی کی موت سے متعلق ہو۔ اور تو اور مولانا محمد حسین بٹالوی مرحوم کو ایسے کلمات سے مخاطب نہیں کروں گا، جن سے ان کو اذیت پہنچے۔ یعنی آپ نے اللہ میاں سے کہہ دیا کہ آئندہ ایسے الہامات نہ ڈسپیچ کیے جائیں، جن پر کوئی مجسٹریٹ گرفتار کرے۔''

''انبیاء علیہم السلام کی سب سے بڑی اور موٹی پہچان ہی یہ ہے کہ حق کی تبلیغ میں وہ کتنے بے باک ہیں، کس درجہ جسور اور دلیر ہیں، کیوں کہ حق کوشی اور حق شعاری ہی کی تکمیل کا دوسرا نام تو نبوت ہے۔ اگر ایک مدعی نبوت شخص اسی حق کو چھپاتا ہے، جس کے پہنچانے پر وہ مامور ہے اور اسی سچائی کے اظہار سے وہ خائف ہے، جس کی تبلیغ پر وہ خدا کی طرف سے مکلّف ٹھہرایا گیا ہے، تو اس مسخرے کو کون پیغمبر کہہ سکتا ہے؟ یہ مصلحت اندیش ہوسکتا ہے، مفاد پرست اور ابن الوقت ہوسکتا ہے، نبی ہرگز نہیں ہوسکتا۔'' [ص:۱۷۵،۱۷۶]

بہر حال مولانا محمد حنیف ندوی رحمہ اللہ کی یہ فاضلانہ کتاب جس کا تعارف سطورِ بالا میں کرایا گیا ہے، تردید مرزائیت میں ایک بے نظیر اور نہایت مؤثر اور زور دار کتاب ہے اور اس لائق ہے کہ اسے دوبارہ معیاری انداز سے شائع کرکے عام کیا جائے، تاکہ پڑھے لکھے لوگ یا وہ حضرات جو اب بھی مرزائیوں کے بارے میں اپنے دلوں میں نرم گوشہ رکھتے ہیں، یا مرزائیوں کی نظر فریب انسانیت کی دُھائی سے متاثر ہیں، ان کو معلوم ہو کہ مرزائیت کا یہ فتنہ کتنا خطرناک ہے اور ان کے بارے میں نرم روی کس طرح ایمان کی جان کنی کے مترادف ہے۔

(۳۵)......حضرت مولانا حافظ عبدالقادر روپڑی رحمہ اللہ:(۱)

حافظ عبدالقادر روپڑی (ولادت ۱۳۳۸ھ وفات ۱۴۲۱ھ) مشہور مناظر، اہل حدیث جلسوں کی رونق اور بہترین عوامی خطیب ہیں۔ حافظ عبداللہ محدث روپڑی رحمہ اللہ کے برادر زادہ اور انہی کے تربیت یافتہ ہیں۔ مخالفین سے کئی ایک موضوعات پر کامیاب مناظرے کرچکے ہیں۔ آج کل ہفت روزہ ''تنظیم اہل حدیث'' لاہور، کے مدیر مسئول ہیں۔

تردید مرزائیت کے میدان کے آپ بھی مشہور شہسوار ہیں۔ ختم نبوت کے موضوع پر آپ کا خطاب بہت مؤثر ہوتا ہے۔ مرزائیوں کے ساتھ آپ کے کئی ایک مناظرے ہوئے، جن میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو فتح وکامرانی عطا فرمائی۔

اس کے علاوہ مرزائیت کی تردید میں آپ انتہائی مدلل مضامین

(۱)......چوں کہ یہ تحریر حضرت حافظ صاحب مرحوم کی حیات ہی میں لکھی گئی تھی، اس لیے اس میں زمانہ حال کے صیغے استعمال ہوئے ہیں۔ [الاعتصام]

بھی لکھتے رہے ہیں، جنھیں ''تنظیم اہل حدیث'' کی ابتدائی فائلوں میں دیکھا جاسکتا ہے۔ مختصر یہ کہ اس سلسلے میں آپ کی خدمات بھی ہماری دادِ تحسین کی مستحق ہیں۔

(۳۶)......مولانا حافظ محمد ابراہیم کمیر پوری رحمہ اللہ:(۱)

مولانا حافظ ابراہیم کمیر پوری محقق علمائے اہل حدیث میں شمار ہوتے ہیں۔ شیعیت، پرویزیت، مرزائیت اور عیسائیت کے متعلق آپ کی معلومات بہت وسیع ہیں، لکھنے اور بولنے کی صلاحیت بھی خوب ہے۔

فتنۂ قادیانیت کے خلاف آپ نے ہر میدان میں کام کیا، تقریریں بھی کیں، کتابیں بھی لکھیں اور عملی جدوجہد میں بھی حصہ لیا۔ گویا اس سلسلہ میں آپ کی خدمات بھی اپنے پیش رو علماء کی طرح ہمہ جہت اور انتہائی اہمیت کی حامل ہیں۔

''۱۹۵۳ء میں منیر انکوائری کمیٹی میں بیان دینے کے لیے مولانا محمد داؤد غزنوی رحمہ اللہ کی نگرانی میں جو مجلس قائم ہوئی تھی، اس میں حافظ صاحب نے بھی کام کیا۔ مولانا مودودی کے خلاف مارشل لاء کے تحت مقدمہ قائم ہوا تو ان کی کتاب ''قادیانی مسئلہ'' میں جن قادیانی کتب کا حوالہ دیا گیا تھا انھیں عدالت میں پیش کرنے کے لیے مولانا نصر اللہ خاں عزیز رحمہ اللہ اور مولانا محی الدین لکھوی کی فرمائش پر حافظ صاحب نے خاص طور پر تعاون کیا اور قادیانی کتب جمع کیں۔

اسی طرح ۱۹۷۴ء میں قومی اسمبلی میں مرزا ناصر پر مسٹر یحییٰ بختیار نے جو جرح کی اس میں انھیں حافظ صاحب کا تعاون بھی حاصل رہا، بلکہ یہ جرح حافظ صاحب کے ایک سوال پر ہی مکمل ہوئی جس کا جواب مرزا ناصر سے نہ دیا جاسکا۔''

اسی طرح تحریر کے میدان میں بھی آپ کا خاصہ کام ہے۔ اس سلسلہ میں آپ کی تین تصانیف کا نام لیا جاسکتا ہے جو اپنے اپنے موضوع پر انتہائی اہمیت کی حامل ہیں۔

①......''مرزائے قادیان کے دس جھوٹ مع جواب الجواب'' مولانا کمیر پوری نے ایک اشتہار شائع کیا تھا جس میں مرزائے قادیان کے دس جھوٹ بیان کیے گئے تھے۔ مرزائیوں کی لاہوری پارٹی نے اپنے اخبار ''پیغامِ صلح'' میں اس کا سلسلہ وار جواب دیا جو نامکمل تھا جب کہ ربوہ کے مرزائیوں نے ایک مستقل کتاب شائع کی۔ مولانا موصوف نے ان دونوں کے جواب میں یہ کتاب لکھی جس کے آخر میں مرزا صاحب کے مزید پانچ جھوٹ بیان کیے۔ ربوہ والوں نے اس کے جواب کی بھی کوشش کی تھی لیکن ناکام رہے۔

②......''فسانہ قادیان'' یہ کتاب ۱۸۸ صفحات پر مشتمل ہے۔ اس میں مصنف نے مرزا صاحب کی اپنی تحریروں سے یہ ثابت کیا ہے کہ ان کے تمام دعوے جھوٹے تھے۔ اس کا دیباچہ شیخ الحدیث مولانا محمد اسماعیل سلفی رحمہ اللہ کا تحریر کردہ ہے۔ اس میں انھوں نے مولانا کمیر پوری کے متعلق اس امید کا اظہار بھی کیا تھا کہ شاید وہ مولانا ثناء اللہ امرتسری رحمہ اللہ کی وفات سے پیدا ہونے والے خلا کو پر کرسکیں۔

③......''ثناء اللہ اور مرزا'' یہ ۱۶۰ صفحات کی کتاب ہے، جس میں مولانا ثناء اللہ اور مرزا صاحب اور مرزائیوں کے مابین پیش آمدہ پچاس سالہ واقعات کو ترتیب دیا گیا تھا۔ یہ کتاب خود مولانا ثناء اللہ کی نگرانی میں کتابت کے مراحل طے کررہی تھی کہ قیامِ پاکستان سے قبل شروع ہونے والے فسادات شدت اختیار کرگئے اور یہ کام جاری نہ رہ سکا۔ اس کے بعد اخبار ''اہل حدیث'' سوہدرہ میں یہ کتاب سلسلہ وار شائع ہوئی تاہم کتابی صورت میں ابھی تک طبع نہیں ہوسکی۔ [یہ تمام تفصیلات جناب انور طاہر کے مضمون مطبوعہ ہفت روزہ ''اہل حدیث'' ۱۸ جنوری ۱۹۸۵ء، ج:۱۶ سے ماخوذ ہیں۔]

(۳۷)......علامہ حافظ احسان الٰہی ظہیر رحمہ اللہ:

علامہ حافظ احسان الٰہی ظہیرؒ (ولادت ۱۳۵۹ھ وفات ۱۴۰۷ھ) انتہائی متحرک شخصیت کے مالک اور گوناگوں صلاحیتوں کے حامل تھے، میدانِ خطابت کے شہسوار تھے اور آپ کا قلم فرقِ باطلہ کے خلاف شمشیرِ بے نیام کی حیثیت رکھتا تھا۔ غالبًا اسی ''جرم'' کی پاداش میں بعض باطل پرستوں نے ان کے خلاف خفیہ سازش کی اور لاہور کے

(۱)......حافظ کمیر پوری مرحوم بھی تحریر کے وقت بقیدِ حیات تھے۔ [الاعتصام]

ایک جلسۂ عام میں جب کہ وہ تقریر کر رہے تھے ایک انتہائی مہلک بم کا دھماکہ کرایا گیا جس میں کئی حضرات وہیں دم توڑ گئے جب کہ بعض دیگر حضرات اور علامہ صاحب شدید زخمی ہوئے اور چند دن بعد اللہ کو پیارے ہوگئے، اناللہ وانا الیہ راجعون۔

تردید مرزائیت کے سلسلے میں آپ کی خدمات بھی اپنے پیشرو علمائے اہل حدیث کی طرح انتہائی اہم اور مؤثر ہیں۔ آپ نے ''الاعتصام'' کی ادارت کے دور میں مرزائیت کے خلاف کئی ایک مدلل اداریے سپردِ قلم کیے، قادیانی رسائل وجرائد کا خوب تعاقب کیا اور ان کے مدیروں کو مسلسل للکارتے اور ان کی سیاسی دسیسہ کارویوں کو بے نقاب کرتے رہے۔

''الاعتصام'' سے علیحدگی کے بعد ''اہل حدیث'' اور ''ترجمان الحدیث'' کی ادارت سنبھالی تو کچھ عرصہ تک ان میں بھی یہ سلسلہ چلتا رہا۔ بالآخر اس سلسلہ کے مضامین کو مناسب اضافہ وترمیم کے ساتھ یک جا کرکے ''مرزائیت اور اسلام'' کے نام سے کتابی شکل میں شائع کردیا گیا۔ اس کتاب میں مصنف نے اس بات پر بھی روشنی ڈالی ہے کہ مرزائی ایک مستقل امت ہیں جنھیں امت مسلمہ میں شمار کرنا کسی طرح بھی درست نہیں اور یہ بھی بیان کیا ہے کہ مرزائیت انگریز کا کاشت کردہ پودا ہے اور اب تک انگریز اور یہودی اس کی سرپرستی کررہے ہیں اور یہ لوگ ان کے لیے مسلم ممالک میں جاسوسی کا فریضہ سرانجام دیتے ہیں۔ یہ تمام چیزیں مکمل حوالوں سے لکھی گئی ہیں۔

اس سے پیشتر مدینہ یونیورسٹی میں تعلیم کے دوران ردّ قادیانیت پر آپ نے کئی مضامین عربی میں لکھے، جو وہاں کے مجلّات میں شائع ہوتے رہے، جنھیں بعد میں ''القادیانیۃ'' کے نام سے کتابی شکل میں شائع کیا گیا۔ اس عربی کتاب نے عالم عرب میں فتنۂ قادیانیت کو اس کے اصلی رنگ وروپ میں متعارف کرانے میں بڑا کام کیا۔ افریقی ممالک میں بھی اس کی بہت مانگ رہی ہے جس کی وجہ سے مختصر سے عرصہ میں اس کے متعدد ایڈیشن نکل چکے ہیں۔

افریقہ میں چوں کہ عربی کی نسبت انگریزی زیادہ سمجھی جاتی ہے، اس لیے بعد میں اس کتاب کا انگریزی ترجمہ بھی شائع کیا گیا اور اس کے بھی اب تک چار سے اوپر ایڈیشن نکل چکے ہیں۔

اس کے علاوہ اس سلسلہ میں تقریر اور عملی جدوجہد کے میدان میں بھی آپ کی خدمات انتہائی قابل قدر اور لائق ستائش ہیں۔

دوسری تحریک ختم نبوت کے دوران ملک بھر میں مختلف شہروں میں منعقد ہونے والے جلسوں میں خطاب کے لیے آپ کو خصوصی طور پر مدعو کیا جاتا رہا اور آپ اس سلسلہ میں اپنے جذبات لوگوں تک منتقل کرکے اور نوجوانوں کے خون کو گرما کر اپنا فرض منصبی ودینی خوب ادا کرتے رہے۔ اس کے علاوہ اس موضوع پر جہاں بھی کوئی مشترکہ جلسہ ہوتا وہاں آپ کا خطاب خصوصی توجہ سے سنا جاتا تھا۔

(۳۸)......مولانا صفی الرحمٰن مبارکپوری حفظہ اللہ:(۱)

مولانا صفی الرحمٰن مبارک پوریؒ (ولادت ۱۳۶۱ھ مطابق ۱۹۴۲ء) کم عمری کے باوجود ہندوستان کے ان علمائے اہل حدیث میں شمار ہوتے ہیں جو دینی رسوخ کے حامل اور گوناگوں علمی صلاحیتوں سے متصف ہیں۔ بہترین مدرس اور کامیاب مصنف ہیں، میدانِ مناظرہ کے بھی ماہر شہسوار ہیں۔ آپ کے اشہبِ قلم کی جولانیاں اردو اور عربی دونوں میدانوں میں برابر جاری ہیں۔ آپ کی درجن سے زائد تصانیف میں سے مشہورترین کتاب عربی میں ''الرحیق المختوم'' ہے جو رابطہ عالم اسلامی کے زیراہتمام منعقد ہونے والے عالمی مقابلہ سیرت نگاری میں اوّل انعام حاصل کرچکی ہے۔ اس کا اردو ایڈیشن بھی اب لاہور سے نہایت معیاری انداز سے شائع ہوگیا ہے۔

فتنہ قادیانیت کے خلاف تحریری میدان میں آپ نے بھی خاصہ ٹھوس کام کیا ہے۔ اس سلسلے میں آپ نے دو مستقل کتابیں تالیف فرمائی ہیں، جن میں سے ایک کا نام ''قادیانیت اپنے آئینہ میں'' ہے اور دوسری کا نام ہے ''فتنہ قادیانیت اور مولانا ثناء اللہ امرتسری رحمہ اللہ''

(۱)......تحریر مضمون اور اشاعت اوّل کے وقت مولانا صفی الرحمٰن مبارک پوریؒ زندہ تھے۔[ادارہ]

یہ دونوں کتابیں اپنے اپنے موضوع اور مندرجات کے اعتبار سے انتہائی اہم ہیں۔

''قادیانیت اپنے آئینے میں'' کے شروع میں ''سخن ہائے گفتنی'' کے عنوان کے تحت مولانا مبارک پوری رقمطراز ہیں:

''۱۹۷۴ء کے وسط کی بات ہے کہ اچانک اخبارات کے اندر پاکستان میں قادیانی مسلم تصادم اور فسادات کی اطلاعات شائع ہونا شروع ہوئیں اور اس کے فوراً بعد اس خبر نے خصوصی اہمیت اختیار کر لی کہ پاکستان کے تمام مسلم فرقوں کے راہنما اور قائدین متفقہ طور پر قادیانیوں کے غیر مسلم قرار دیئے جانے کا مطالبہ کر رہے ہیں۔ اس مطالبہ کی خبروں سے ہندوستان کے اندر مسلمانوں کی نئی پود اور (مغربی) تعلیم یافتہ طبقہ سخت نالاں اور برگشتہ نظر آتا تھا۔ خود مجھ سے بھی میرے بعض رفقاء نے اپنے نہایت شدید ردّعمل کا اظہار کیا۔ اسی دوران ہندوستان کی بعض مسلّمہ شخصیتوں کی طرف سے بعض کثیر الاشاعت ماہناموں میں ایسے مضامین بھی شائع ہوئے جن سے اس مطالبہ کے خلاف پیدا شدہ ردّعمل کو بڑی تقویت ملی۔''

''ہر فرقے اور طبقے کے رسائل وجرائد نے عوام کو یہ باور کرانے کی کوشش کی کہ قادیانیت کے خلاف میدانِ کارزار کے سپہ سالار اور ہراول دستے کے سپاہی ہمارے ہی طبقے اور فرقے کے علماء تھے۔''

ان دونوں صورتِ حال کا تقاضا تھا کہ ایک طرف قادیانیت کے حقیقی خط وخال کو منظر عام پر لا کر ان لوگوں کی غلط فہمی دور کی جائے جو اس دین جدید ...... قادیانیت ...... اور اس کے حاملین کو فروعی اختلافات رکھنے والے اسلامی فرقوں کی طرح ایک فرقہ سمجھتے ہیں اور دوسری طرف ان شخصیات کا حق تعارف ادا کیا جائے جنھوں نے اس میدان میں اسلامی دفاع کے علمبردار بن کر بے لوث اور بے لاگ خدمات سرانجام دی ہیں۔'' [قادیانیت اپنے آئینہ میں، ص:۹-۱۱]

چناں چہ پہلی ضرورت کو پورا کرتے ہوئے مولانا مبارکپوری نے ''قادیانیت اپنے آئینہ میں'' تالیف کی اور دوسری ضرورت کو پیش نظر رکھتے ہوئے ''فتنۂ قادیانیت اور مولانا ثناء اللہ امرتسری رحمہ اللہ'' تحریر فرمائی۔ امید کرنی چاہیے کہ دوسرا سلسلہ مصنف کے قلم سے مزید آگے چلے گا۔ ان شاء اللہ یہ دونوں کتابیں بعض معمولی فروگزاشتوں کو چھوڑ کر مصنف کی علمی اور تصنیفی صلاحیتوں کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔

پہلی کتاب بڑے سائز کے ۲۶۰ صفحات پر مشتمل ہے جب کہ دوسری تقریباً ۳۱۲ صفحات کی ضخامت میں ہے۔ تاریخ اشاعت اوّل الذکر کے شروع میں ۱۹۸۱ء اور مؤخر الذکر کے آغاز میں ۱۹۷۹ء درج ہے اور ان دونوں بہترین کتابوں کا ناشر ہے: ادارۃ البحوث الاسلامیۃ والدعوۃ والافتاء، الجامعۃ السلفیۃ، بنارس ہند۔

(۳۹)......حافظ صلاح الدین یوسف حفظہ اللہ:

حافظ صلاح الدین یوسف (ولادت ۱۳۶۵ھ) عصر حاضر کے فاضل علمائے اہل حدیث میں سے ہیں۔ مولانا محمد عطاء اللہ حنیف رحمہ اللہ کے تربیت یافتہ اور کئی ایک کتابوں کے مصنف ہیں جن میں سے ''خلافت وملوکیت کی شرعی حیثیت'' خصوصی طور پر قابل ذکر ہے جو مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی رحمہ اللہ کی کتاب ''خلافت وملوکیت'' کے جواب میں لکھی گئی تھی۔ آج کل آپ وفاقی شرعی عدالت کے مشیر بھی ہیں۔

ہفت روزہ ''الاعتصام'' کے آپ بھی سالہا سال تک ایڈیٹر رہ چکے ہیں۔ اس دوران آپ کی بھی مرزائی قلم کاروں کے ساتھ کئی دفعہ نوک جھونک چلی اور آپ نے اپنے اداریوں میں ان کی غلط بیانیوں کا پردہ خوب چاک کیا۔

پہلی تحریک ختم نبوت (۱۹۵۳ء) کے دنوں میں الاعتصام کے ایڈیٹر مولانا محمد حنیف ندوی رحمہ اللہ تھے اور دوسری تحریک ختم نبوت کے زمانے میں اس کے ایڈیٹر حافظ صاحب موصوف تھے۔ چناں چہ ۱۹۵۳ء میں مرزائیوں کے اقلیت قرار دیئے جانے کے مطالبے کے خلاف دلائل نما مغالطوں کے تار وپود مولانا ندوی رحمہ اللہ بکھیرتے رہے جب کہ دوسری تحریک ختم نبوت کے دوران یہی فریضہ آپ نے سرانجام دیا۔

نوٹ: یہ ہفت روزہ الاعتصام کی خصوصی اشاعت ہے۔ اس شمارے کی قیمت 20 روپے رکھی گئی ہے۔ [منیجر]

اس کے علاوہ ان دنوں مرزا صاحب سے متعلقہ متنوع قسم کے موضوعات پر آپ کے قلم سے کئی ایک مدلل اور مرزائیوں کے لیے مسکت قسم کے مضامین نکلے جن کا جواب آج تک یہ فرقہ ضالہ نہیں دے سکا۔ یہ تمام مضامین اس قابل ہیں کہ انھیں کتابی شکل میں دوبارہ شائع کر دیا جائے تا کہ ان سے زیادہ سے زیادہ استفادہ کیا جا سکے۔

(۴۰)......مولانا ارشاد الحق حفظہ اللہ:

مولانا ارشاد الحق اثری (ولادت ۱۳۷۳ھ) موجودہ نوجوان، فاضل اور محقق علمائے اہل حدیث میں سے ہیں۔ حدیث اور علوم حدیث سے آپ کو خاص شغف ہے۔ بعض قدیم کتابیں اپنی تحقیق و تعلیق کے ساتھ شائع کر چکے ہیں اور بعض کتابوں کے خود بھی مصنف ہیں۔

ردّ مرزائیت کے موضوع سے آپ کو دورِ طالب علمی ہی سے دلچسپی رہی ہے۔ اس سلسلہ میں آپ نے مناظرے بھی کیے اور تحریری کام بھی کیا۔ جامعہ سلفیہ فیصل آباد میں تعلیم کے دنوں میں آپ نے ان مرزائی طلبہ سے مناظرہ کیا جو ربوہ سے وہاں آئے تھے۔ اسی طرح ایک دفعہ آپ نے بمقام لشاریاں تاندلیانوالا ضلع فیصل آباد وہاں کے ایک مرزائی اسکول ماسٹر سے بھی مناظرہ کیا اور اسے شکست فاش دی۔

اس کے علاوہ اس سلسلے میں آپ نے ایک مستقل کتاب بنام ''قادیانی کافر کیوں؟'' بھی تحریر فرمائی ہے۔

۱۱۹ صفحات کی یہ کتاب دراصل اثری صاحب کے ان خطباتِ جمعہ کا مجموعہ ہے جو وہ دوسری تحریک ختم نبوت کے دوران مسجد مبارک اہل حدیث منٹگمری بازار فیصل آباد میں ارشاد فرمایا کرتے تھے۔ اس میں آپ بہت فاضلانہ انداز میں مرزائیوں کی مذہبی حیثیت کو زیر بحث لائے ہیں۔ مضبوط دلائل اور مستند حوالوں سے یہ ثابت کیا ہے کہ مرزائی حضرات امت مسلمہ کا ایک فرقہ نہیں بلکہ ایک متوازی امت ہیں۔

یہ کتاب ۱۳۹۵ھ مطابق ۱۹۷۵ء میں ادارہ علومِ اثریہ منٹگمری بازار فیصل آباد کی طرف سے شائع ہوئی تھی۔ کتاب کے شروع میں مولانا قاضی محمد اسلم سیف فیروز پوری کا لکھا ہوا پیش لفظ ہے جس میں انھوں نے عقیدۂ ختم نبوت کی اہمیت پر روشنی ڈالی ہے۔

مولوی احمد سعید ملتانی، چتروڑگڑھی کی ضمانت منسوخ

امام المحدثین امام بخاری رحمہ اللہ اور دیگر محدثین کے خلاف نام نہاد کتاب ''قرآن مقدس اور بخاری محدث'' کے مصنف مولوی احمد سعید ملتانی چتروڑگڑھی، جو بزعم خود ''امام انقلاب'' اور ''علامہ'' کے الفاظ استعمال کرتا ہے۔ اپنی تقاریر کے ذریعے شر اور فساد پھیلانے میں ماہر گنا جاتا ہے۔ اشاعۃ التوحید والسنہ کا مرکزی رہنما اور مولانا غلام اللہ خان مرحوم (شیخ القرآن) راولپنڈی کا شاگرد رشید بھی ہے۔

گوجراں والا کی جماعت اہل حدیث کے نوجوان عالم دین مولانا عمر صدیق صاحب نے اس گستاخ مصنف کے خلاف مقدمہ کیا تھا۔ ملزم احمد سعید نے گوجراں والا سیشن کورٹ میں درخواست ضمانت دائر کروائی تھی۔ سیشن کورٹ گوجراں والا سے یہ ردّ کر دی گئی۔ اب لاہور ہائی کورٹ میں یہ درخواست ضمانت آئی تو فاضل عدالت کے جج نے اسے ردّ کر دیا ہے۔ یوں مولوی چتروڑگڑھی مزید قید بھگتے گا۔

[ابوالاحتشام حمزہ طور، کھیالی بائی پاس گوجراں والا]

طلبہ علوم دین کیلئے عظیم خوشخبری اعلان داخلہ



بوابۃ الجامعۃ



جامع الحسنات مسجد الجامعۃ السعیدیۃ


السکن الجامعی

شعار الجامعۃ

جامعہ سعیدیہ

ایک علمی ودعوتی مرکز، رجوع الی الکتاب والسنہ کی تحریک جامع اور مکمل اسلامی نظام زندگی کا علمبردار ادارہ ہے۔

تعریف الجامعۃ

سلف صالحین کے عقیدہ وعمل اور منہج کے مطابق کتاب وسنت اور اسلامی علوم کی مثالی دانشگاہ، ذکر وفکر علم ونظر اور تعلیم وتربیت کا سلفی ادارہ جو اپنے جملہ متعلقین ومنسوبین کیلئے بشرط اخلاص دنیا وعقبی میں فلاح ونجاح کا ذریعہ ہوگا۔ انشاء اللہ

تاریخ الجامعۃ

تاسیس اوّل 1940ء صدر والا ضلع فیروز پور
بدست محترم حضرت صوفی ولی محمد رحمہ اللہ متوفی 1978ء

تاسیس دوم 1947ء چک AR-7/8 میاں چنوں
بدست مولانا ابو الحسنات علی محمد سعیدی رحمہ اللہ، متوفی 1987ء

تاسیس سوم 1962ء خانیوال
بدست مولانا ابو الحسنات علی محمد سعیدی رحمہ اللہ، متوفی 1987ء

نشاۃ ثانیہ وتعمیر نو از 1990ء
زیر اہتمام: ڈاکٹر حافظ عبد الرشید اظہر بن عبد العزیز عفاء اللہ عنہما

خصوصیات

- مسلکی تعصب اور فرقہ واریت سے پاک خالص علمی ماحول۔
- تعلیم کے ساتھ ساتھ عملی تربیت کا اہتمام۔
- کہنہ مشق مستند اور تجربہ کار اساتذہ کی خدمات۔
- دینی علوم کے ساتھ ساتھ عصری تعلیم کا اہتمام۔
- قیام و طعام اور علاج معالجہ کی مثالی سہولیات۔
- اچھی کارکردگی کے حامل محنتی طلبہ کیلئے گراں قدر انعامات۔

الحمد للہ عرصہ دراز سے طلبہ کی تعلیم وتربیت اور دعوت وتبلیغ کے ذریعے دینی خدمات سرانجام دے رہا ہے۔ گزشتہ چار سال سے جامعہ کے زیر اہتمام شعبہ علوم اسلامیہ (الثانویہ) کا باقاعدہ اجراء کیا جا چکا ہے۔ داخلہ کے خواہشمند سنجیدہ طلبہ جلد از جلد اپنے والد یا سرپرست کے ہمراہ رابطہ قائم کریں۔

شعبہ جات: حفظ | ناظرہ | تجوید | ریفریشر کورسز | علوم اسلامیہ | ترجمہ قرآن کریم | تدریب الائمۃ والخطباء



المجلس الاسلامی پاکستان
P.I.C

الجامعۃ السعیدیۃ خانیوال

☎ 065-2552317 ـ 0333-5176493

سالانہ اہل حدیث کانفرنس

جامع مسجد اہل حدیث قدیم کلیر والا نیا (کوٹلی امیر سنگھ) ضلع حافظ آباد میں ۲/نومبر ۲۰۰۸ء بعد نماز عشاء عظیم الشان اہل حدیث کانفرنس ہوگی۔ مولانا نصر اللہ خان بھٹی، مولانا محمد اعظم، قاری محمد حنیف ربانی، قاضی عبدالرشید جلّہن خطاب فرمائیں گے۔

قاری احمد حسن (جگانوالہ)، قاری عبدالودود عاصم لاہور اور قاری عرفان الحق صابر صاحب تلاوتِ کلام پاک کریں گے۔ فداء الرحمٰن طیب اور عبدالوہاب صدیقی حمد ونعت پڑھیں گے۔ [پروفیسر قاری محمد سعید کلیروی، خطیب مسجد ہذا]

ضرورت معلّمات وخطیب:

ادارہ نصر الائمہ گوجرانوالہ کو مختلف مدارس للبنات میں استانیوں کی فوری ضرورت ہے جو طالبات کو درسِ نظامی پڑھا سکیں، نیز ایک خطیب صاحب جو پڑھانے کا بھی تجربہ رکھتے ہوں کی بھی ضرورت ہے۔ رہائش اور ماہانہ وظیفہ معقول ہوگا۔

[ابوالاحتشام حمزہ طور، ناظم ادارہ نصر الائمہ گوجرانوالہ۔ فون: 0333-8112611]

خطبہ جمعۃ المبارک:

دارالحدیث راجووال ضلع اوکاڑا میں 14 نومبر 2008ء کا خطبہ جمعہ ڈاکٹر حافظ عبدالرشید اظہر (حفظہ اللہ) ارشاد فرمائیں گے۔

[محمد یوسف، خادم دارالحدیث]